معتزلہ

اور اُن کے عروج و زوال

کے متعلق

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر کا ایک
بسیط لکچر جو مسلم اکیڈیمی کے اجلاس منعقدہ ١٩ نومبر ١٩٢٥ء
میں پیش ہوا

اور

خاکسار محمد سراج الحق حکیم منیجر و پرنٹر و پبلشر نے

ماہ اگست ١٩٢٦ء

دلگداز پریس میں چھاپ کر لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان
سے شائع کیا

کارخانۂ روضۃ الریاحین لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

(آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں)

عطر کے لیے لکھنؤ مشہور ہے مگر افسوس ہے کہ جو عطر یہ وہ باہر والون کو نہین ملتا کیونکہ کمیشن کی روانگی نوکرون کے ہاتھ ہے۔ اور اُن کے دخل بے فصل کا خمیازہ اُن بیچارہ عطر باہر سے منگوانے اور بے دیکھے خریدنے پر مجبور ہین۔ اور بعض اشتہار دینے والون کی یہ حالت ہے کہ روپیہ کا مال دو کوڑی بھی جا کر کو بھیج دیتے ہین۔ یہ عام خرابیان دیکھ کے ہم نے ذمہ لیا ہے کہ باہر کے جو صاحب طلب فرماوین اُن کے لیے معتبر اور مستند کارخانون کے عطر اعلیٰ درجہ کے تیل وغیرہ خاص طور پر اہتمام کر کے مال بخوبی جانچ کے اور بکفایت خرید کر کے روانہ کر دیا کرین جس کا بہت اچھا اور قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے۔ عطر کے شائق ایک بار امتحاناً منگوا کر دیکھ لین کہ ہمارے ذریعہ سے انھین کیسا اچھا عطر اور کن دامون کو ملتا ہے۔

عطرون کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر گلاب [illegible]	عطر مشک [illegible]	عطر زعفران [illegible]	عطر [illegible]
موتیا [illegible]	[illegible]	روح گلاب [illegible]	شگوفہ [illegible]
حنا [illegible]	سوندھی [illegible]	یاسمن [illegible]	شہنانہ [illegible]
کیوڑہ [illegible]	سہاگ [illegible]	مخلوط عنبری [illegible]	انگیارہ [illegible]
چنبیلی [illegible]	عروس [illegible]	[illegible]	مولسری [illegible]
جوہی [illegible]	بیلا [illegible]	ہارسنگار [illegible]	خس [illegible]
موگرہ [illegible]	[illegible]	گل مٹی [illegible]	چمپا [illegible]
عنبر [illegible]	[illegible]	گیندا [illegible]	گل حنا [illegible]
مشک عنبر [illegible]	مدن بان [illegible]	پودینہ [illegible]	شمامۃ العنبر [illegible]
ناگیسر [illegible]	اگر [illegible]	روح خس [illegible]	اگر گل [illegible]

خوشبودار تیلون کی فہرست ملاحظہ ہو

روغن چنبیلی فی سیر [illegible]	روغن بیلا فی سیر [illegible]	روغن کیوڑہ فی سیر [illegible]	روغن حنا [illegible]

اعلیٰ درجے کا خوشبودار عمدہ بامزہ تمباکو

زردہ تمباکو مشکی فی سیر [illegible] زعفرانی [illegible]	قوام مشکی فی تولہ [illegible] زعفرانی [illegible]	گولیان مشکی طلائی فی تولہ [illegible] نقرئی [illegible]

نوٹ - درخواست آتے ہی ویلو پی ایبل روانہ ہوگا۔ بار روانہ و مصارف ڈاک بذمہ خریدار

آپ کا خادم حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ [illegible] لکھنؤ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مُعتزلہ

اور اُن کا عروج و زوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقت اسلام کی سب سے بڑی اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ وہ ایک سیدھا سادہ مطابقِ فطرت دین ہے۔ اُس نے اپنی ابتدائی تبلیغ میں بجائے دقیق موشگافیوں کے جو فلسفیوں کو بہکا بہکا کے حق اور فطرۃ اللہ سے ہٹاتی رہتی ہیں دنیا کو ایسا عملی دین بتایا جو تمدنِ انسانی اور فطرتِ دنیوی کے لیے تمام قوانین و شرائع سے زیادہ مناسب تھا۔ اور اُس نے فلسفیوں کے جنون زا خیالات و شبہات کو الگ پھینک کر ایسے دینی و دنیوی اعتدال کا راستہ بتایا جو نوعِ انسانی کی اصلاح میں ہمہ وجوہ بہتر اور افضل ترین کہا جا سکتا ہے۔

ایک طرف جملہ مذاہب عالم کے دیندار و پرہیزگار تارک الدنیا راہب بن گئے تھے۔ اور دنیا سے اس قدر بے تعلق ہو گئے تھے کہ اُن سے دین و دنیا کو بجائے فائدے کے ضرر پہنچ رہا تھا۔ وہ گویا دنیا میں آئے ہی نہ تھے اور دنیا والوں سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا۔ دوسری طرف دنیادار لوگ خدا اور اُس کی عبادت

سے اس قدر دور پڑ گئے تھے کہ گویا اُنھیں خدا اور اُس کی شریعت سے
کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ راستی سے اعتدال کو اسلام نے قائم کیا۔ دینداروں
سے کہا دنیا میں آنے کا یہ مقصد نہیں کہ اپنی نجات اور خدا پرستی کی دھن
میں دنیا والوں کی فلاح اور عالم کی اصلاح کو بھول جاؤ۔ اور دنیا داروں
کو بتایا کہ دنیا کی ہوس اور عیش پرستی میں اتنے غافل نہ ہو کہ خدا بھی یاد نہ
رہے۔ چنانچہ تمام دنیوی لذتیں ایک صحیح اور سچے اعتدال کے ساتھ جائز بتا دی
گئیں۔ راہب اور مقتدایانِ امم جو سارا وقت اپنے روحانی اشغال میں
صرف کر رہے تھے اُنھیں بتایا گیا کہ اتنا محدود وقت خدا پرستی میں صرف
کر کے دنیا کو اعتدال سے برتو تو تمہارا ہر دنیوی کام بھی موجب ثواب اور
عبادت کے حکم میں ہو گا۔ دنیا پرستوں سے کہا کہ تم مشاغل دنیوی کو چھوڑ
کے اتنا وقت عبادت الٰہی میں صرف کرو تو تمہارے دنیوی کام بھی دین کے
کام بن جائیں گے۔ اس طرح عابد و دنیا پرست اور مقتدا و مقتدی دونوں
ایک درجے پر آ کر ایک رنگ کے ہو جائیں گے۔

صحابہ کے عہد اور خیر القرون کے بابرکت زمانے تک یہ یکسانی
قائم رہی۔ سیدھے سادے عقائد رہے۔ بخلوص و بے ریائی کی عبادت
رہی۔ اور مسلمانوں کی دینی و دنیوی ترقی کی کوئی حد و نہایت نہ تھی۔
اصول و اعتقادی مسائل میں کبھی کوئی شخص عقلی شک و شبہ
ظاہر بھی کرتا تو قرآن و حدیث کے احکام و نصوص بتا کے خاموش کر دیا
جاتا۔ نہ کسی کا عقیدہ بدلتا۔ اور نہ کسی کے زہد و تقدس میں فرق آتا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گر تعلیمات نبوت کا اثر جس قدر کمزور ہوتا گیا اُسی قدر وسوسہ ہاے شیطانی نے قیل و قال اور چون و چرا کے شُبہے پیدا کر نا شروع کر دیے۔ پیرو دین علماے سلف نے خوب کہا ہے کہ حکم الٰہی یا نص کے مقابلے مین سب سے پہلے جس نے بربناے قیاس چُون و چرا کا شُبہہ پیش کیا وہ شیطان تھا۔ خدا نے حکم دیا کہ آدم کا سجدہ کرا وہ اُس نے یہ قیاسی حُجت پیش کی کہ کیون کرون۔ جبکہ مین آدم سے افضل ہون۔ مین آتشین نژاد ہون۔ اور آدم ذلیل خاکی پتلا۔ مین تو تیرے سوا کسی کے آگے سجدہ نہ کرون گا۔ یہ نص صریح کے آگے پہلی فلسفیانہ قیاسی مخالفت تھی۔

بعینہٖ اسی طرح پہلی صدی اسلامی کے ختم ہونے سے پیشتر ہی عقائدِ اسلامیۂ منصوصہ کے مقابل عقلی گدّے لگانے۔ اور قیاسی شُبہے پیش کیے جانے لگے۔

چنانچہ صحابہ کے زمانے ہی مین مَعبد جُہنی غَیلان دمشقی اور یونس اسواری نے قدریہ کے عقائد کا اظہار کیا۔ اور بُرائی بھلائی کے مقدر ہونے پر اعتراض کرنے لگے کہ جب خدا نے بندون کے افعال اپنے اختیاری رکھے ہین تو پھر ثواب و عذاب کی کیا وجہ ہے؟ مگر اُس وقت اُن کے یہ شُبہات اُنھین پر ختم ہو گئے۔ اور فتنہ بڑھنے نہ پایا۔

اب وہ زمانہ آیا کہ حضرت حَسن بصری جامع بصرہ مین حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اُن کی ولادت ۲۱ھ مین ہوئی تھی اور ۱۱۰ھ مین سفر آخرت فرمایا۔ وہ ایک دن بصرے کی جامع مسجد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں طلبہ کے حلقے میں بیٹھے درس حدیث دے رہے تھے کہ شاگردوں
میں سے واصل بن عطاء غزال نامی ایک شخص نے اٹھ کے سوال کیا۔
"یا امام زمانہ! ان دنوں جدا جدا خیالات کے مختلف گروہ پیدا ہو گئے
ہیں۔ ایک ان لوگوں کو کافر بتاتا ہے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوں۔
اور دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ کبیرہ گناہوں سے دین میں مطلق
خلل نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ ان کے اعتقاد میں عمل جزو دین و ایمان میں کوئی
دخل نہیں۔ پہلا اعتقاد خوارج کا ہے۔ اور دوسرا مرجیہ کا۔ آپ اس بارے
میں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟" حضرت حسن سر جھکا کے غور فرمانے لگے۔ لیکن
قبل اس کے کہ آپ جواب دیں واصل خود ہی بول اٹھا "اور میں تو یہ
کہتا ہوں کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن مطلق ہے۔ اور نہ کافر مطلق۔ بلکہ کفر و ایمان
کے درمیان اس کا ایک تیسرا درجہ ہے۔ نہ وہ کافر ہے نہ مومن ہے"
یہ کہتے ہی وہ حضرت حسن کے حلقۂ درس سے اٹھ کر مسجد کے ایک دوسرے
ستون کے پاس جا بیٹھا۔ اپنے اس نئے خیال کی تبلیغ کرنے لگا۔ اور اپنا ایک
نیا حلقۂ تعلیم جاری کر دیا۔ حضرت حسن نے اس کی یہ سرتابی دیکھی تو فرمایا۔
"اعتزل عنا" یعنی ہم سے الگ ہو گیا۔ اور اسی وقت سے اس کے گروہ کا
نام حضرت حسن کے ان الفاظ کی بنیاد پر "معتزلہ" پڑ گیا۔ اس کے بعد واصل
نے اپنے اور اعتقاد استظاہر کرنا شروع کیے جو در اصل عقل و قیاس
پر مبنی تھے۔

بعد ازاں حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے زید

شہید واصل بن عطا کے شاگرد ہوئے۔ اور کہتے ہین کہ شیعون کا سب سے پہلا فرقہ زیدیہ ہے جو انھین کی جانب منسوب ہے۔ چنانچہ زیدیہ لوگون کے اور نیز اثنا عشری شیعون کے وہی عقائد ہین جو واصل بن عطا کے تھے۔

اس زمانے سے معتزلہ لوگون نے زیادہ انہماک کے ساتھ فلسفہ کی کتابون کا مطالعہ شروع کیا۔ اور جب ہارون و مامون کے عہد مین فلسفہ یونان کی کتابین بہ کثرت ترجمہ ہوئین تو ان لوگون کو اپنے خیالات و شبہات کے لیے فلسفی دلیلین مل گئین۔ اور انھون نے ایک نیا عقلی اسلامی فن ایجاد کیا جس کا نام "علم کلام" قرار دیا۔

محدثین و فقہائے سلف اور بڑے بڑے ائمۂ دین ان لوگون کو جہان کہین نصوص کتاب و سنت کے خلاف پاتے مخالفت کرتے۔ آخر کار باہم مناظرے چھڑ گئے۔ معتزلہ اپنی عقلی دلیلون سے اُن کو پریشان و لاجواب کرتے۔ اور وہ کہتے کہ ہم قرآن و حدیث کو بے دلیل مانتے ہین۔ اور تمھاری اِن قیاسی خیالی آرائیون اور عقلی حجتون سے ہمارے اعتقاد مین فرق نہین آ سکتا۔ امام احمد حنبل اور امام شافعی و دیگر ائمۂ حدیث نے تو وہی طریقہ رکھا کہ کتاب و سنت مین جو پاتے چاہے سمجھ مین آئے یا نہ آئے اُس پر اعتقاد رکھتے۔ اور کہتے۔ خدا کہتا ہے کہ وہ عرش پر کھڑا ہے ہم بھی مانتے ہین کہ وہ کھڑا ہے۔ مگر یہ نہین کہہ سکتے کہ اُس کا کھڑا ہونا کیسا ہے۔ یہی

طرح وہ اپنے پیر اور وجہ (ہاتھ اور منھ) بتاتا ہے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُس کے پیر اور وجہ ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ اُس کا پیر کیسا ہے اور وجہ کیسی ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر خدا کو اعضا ہیں تو لازم ہے کہ کسی محل اور موضع میں ہو۔ اُس کے ہاتھ اور چہرہ ہیں تو ماننا پڑے گا کہ جسمانی چیز ہے۔ اور محدثین جب یہ جواب دیتے کہ ہم خدا کے جسم مانتے ہیں نہ اعضا اور نہ اُس کا کسی موضع و محل میں ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ مگر یہ ضرور کہیں گے کہ خود اُس نے اپنے آپ کو اپنے کلام میں جن چیزوں کی جانب منسوب کیا ہے اُن کی طرف وہ ضرور منسوب ہے۔ مگر ہم نہیں جانتے کہ اُس کا کلام کیسا ہے اُس کے ہاتھ کیسے ہیں۔ اُس کا چہرہ کیسا ہے۔ مگر اُس کے ارشاد کے مطابق اِن سب چیزوں کے موجود ہونے کے قائل ہیں تو اُس پر تشنیع کرتے۔

آخر جب اہل حدیث کی طرف سے قرین قیاس عقلی جواب شافی نہ دیے جاسکے اور قیاس پرست معتزلہ نے اُن کا مضحکہ اُڑانا شروع کیا تو مسلمان کثرت سے اُن کے پیرو ہونے لگے یہاں تک بنی عباس کے نامور خلفائے سلطنت۔ مامون رشید۔ معتصم باللہ۔ متوکل علی اللہ۔ اور واثق باللہ نے بھی معتزلہ کے مسلک کو اختیار کر لیا یہ حالت دیکھ کر علمائے دین میں سے عبداللہ بن سعید کلابی ابو العباس قلانسی۔ اور حارث محاسبی نے حاجۃً اگرچہ ناگواری کے ساتھ معتزلہ ہی کے انداز سے حمایت

دین مین عقلی جوابات دینا شروع کیے۔ اِس سے اُن بزرگون کے ذاتی اعتقادات پر اگرچہ کوئی اثر نہین پڑا تھا۔ مگر بحث کا انداز ایسا تھا کہ فلسفیین معتزلہ ہی کی وضع کی باتین کرتے دیکھ کر متشدد ائمۂ محدثین اُن پر بھی بدگمانیان کرنے لگے۔

اِن دنون ایک طرف تو اکابر محدثین معتزلہ سے اس درجہ بدگمان تھے کہ حمایت دین اور اُن کے مسلک حق کے ثبوت مین بھی اگر کوئی عالم فلسفیون کی طرح عقلی دلیلین پیش کرتا تو وہ اُس کو بُرا سمجھنے لگتے۔ دوسری طرف معتزلہ کی یہ حالت تھی کہ پیروان کتاب و سنت کو احمق اور جاہل سمجھتے اور جب اُن کو اپنے منقولی مذہب سے کسی طرح ہٹتے نہ دیکھا۔ تو انھین کافر و بے دین بلکہ مشرک کہنے لگے۔ اور ہم مذہب خلفا کی مدد سے اُن پر جور و تشدد شروع کر دیا۔ چنانچہ معتزلی العقیدہ خلفاے بنی عباس نے علماے حدیث و فقہ پر بیحد مظالم کیے۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ اہل سنت کو نہ بھاگنے کا راستہ ملتا تھا اور نہ کوئی پناہ کی جگہ نظر آتی۔

اب ہم مختصر طور پر یہ بتانا چاہتے ہین کہ معتزلہ کے اصلی عقائد کیا تھے۔ اور فلسفہ کی آمیزش نے اُنھین کس طرح ہمارے قرآن کے دامن سے ہٹا کر اُس پہاڑی کے پاس پہونچا دیا تھا جس پر یونانیون کے دیوتا اپالو کا مندر بنا ہوا تھا۔

اِن لوگون کے زیادہ تر مباحث اصولی مسائل سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ متکلمین کی مراد اصولی

مسائل سے کیا ہے۔ دین میں دو باتیں ہیں۔ اول معرفت باری تعالےٰ۔ دوسری اُس کی عبادت۔ یہ ظاہر ہے کہ معرفت اصل ہے۔ اور عبادت فرع۔ لہذا جو مسائل معرفت و توحید کے متعلق ہیں وہ اصولی ہیں اور جو مسائل عبادت و شریعت سے علاقہ رکھیں وہ فروعی۔ اسی بنا پر علم کلام کا موضوع اصول ہیں۔ اور علم فقہ کا موضوع فروع۔ اسی تقسیم کی بنا پر معتزلہ اور اُن کے علم کلام کے مسائل توحید۔ عدل۔ وعد۔ وعید۔ اور سمع و عقل قرار پا گئے۔

وضاحت کے لیے میں مذکورہ مسائل اصول کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اول توحید۔ اس کی نسبت اہل سنت اور وہ تمام لوگ جو صفات باری تعالیٰ پر عقیدہ رکھتے ہیں سب کا یہ مسلک ہے کہ اللہ جل شانہ اپنی ذات میں واحد ہے۔ اُس کا کوئی قسیم یعنی برابر والا نہیں۔ وہ اپنے جملہ صفات الٰہیہ میں اکیلا ہے۔ یعنی کوئی اُس کا نظیر نہیں اور اپنے جملہ افعال میں بھی اکیلا ہے یعنی کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کے خلاف معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ باری تعالیٰ اپنی ذات میں اس طرح واحد ہے کہ نہ اُس کی تقسیم ہو سکتی ہے اور نہ اُس میں کوئی صفت ہے۔ اور اپنے افعال میں یوں واحد ہے کہ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ لہذا نہ اُس کی ذات کے سوا کوئی قدیم ہے۔ اور نہ اُس کے افعال میں کوئی اور حصہ دار ہے۔ دو قدیموں کا ہونا محال ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس دو قادر دون

کے درمیان ایک مقدور کا ہونا بھی غیر ممکن ہے۔ یعنی کوئی مخلوق نہیں ہوسکتا جس پر دو قادروں کی حکومت ہو۔ یہ معتزلہ کے خیال کی فلسفیانہ توحید ہے۔

دوسرے عدل۔ عدل کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خدا ے تعالیٰ کے اپنے افعال میں عادل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ جل شانہ اپنے ملک اور اپنے مملوکوں میں جیسا تصرف چاہتا ہے کرتا ہے۔ لہذا اُس کے عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی مخلوق میں اپنی مشیت کے مطابق جیسا تصرف چاہے کرے۔ اور جو اس کے ضد ہو اُس کا نام اہل سنت کی اصطلاح میں ظلم ہے۔ لہذا اُس کے حکم میں کسی طرح کے جور اور اُس کے تصرف میں کسی قسم کے ظلم کا ہونا محال ہے۔ اس کے خلاف معتزلہ کہتے ہیں عدل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا ہر کام اور ہر تصرف ہماری حکمت اور ہماری عقل کے تقاضے کے مطابق ہو یعنی اُس کے ہر فعل کا از روے عقل انسانی بہترین صورت پر ہونا لازم ہے۔

تیسرے وعد و وعید یعنی اُس کا وعدۂ ثواب کرنا اور عذاب کا خوف دلانا۔ اس میں یہ اختلاف ہے کہ اہل سنت کے نزدیک وعد و وعید خداے تعالیٰ کا کلام ازلی ہے۔ اُس نے جو احکام نافذ فرمائے اُن پر عمل کرنے کی صورت میں وعدۂ ثواب کیا۔ اور جو ممنوعات بتائے اُن کے ارتکاب پر عذاب کی دھمکی دی۔ لہذا جو نجات پائے وہ اُس وعدے کے مطابق مستحق ثواب ہوا۔ اور جو گنہگار ہو وہ اُس کے مطابق

مستوجب عقاب ہوا۔ تقاضائے حکمت اور فیصلۂ عقل کی وجہ سے کوئی چیز اُس جل جلالہ پر واجب نہیں ہے۔ برخلاف اس کے معتزلہ کہتے ہیں کہ کلام باری ازل میں تھا ہی نہیں۔ اور اس نے جو حکم فرمائے یا جن باتوں سے منع کیا یا کوئی وعدہ کیا یا کسی عذاب سے ڈرایا سب اپنے کلام حادث سے کیا۔ لہذا جس کی نجات ہوئی اپنے افعال سے ہوئی۔ اور مستحق ثواب ہو گیا۔ اور جو مبتلائے عذاب ہوا خود اپنے افعال کے پاداش میں پکڑا گیا۔ اور از روئے اصول حکمت عقل اسی کی متقاضی تھی۔

چوتھے سمع و عقل سمع سے مراد قرآن و حدیث ہیں جو بذریعۂ سماعت سنے گئے۔ اور عقل سے مراد تقاضائے عقل ہے اس مسئلہ میں اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ بندہ جتنے فرائض اور واجبات امور کا مکلف ہے سب سمع سے یعنی قرآن و حدیث سے ہیں نہ کہ محض عقل سے حاصل ہوتی ہیں۔ لہذا عقل نہ کسی چیز کو اچھا کرتی ہے نہ کسی چیز کو بُرا۔ نہ وہ کسی بات کی مقتضی ہوتی ہے۔ اور نہ کسی کام کو واجب کرتی ہے۔ اور سمع سے اگرچہ معرفت نہیں حاصل ہوتی۔ مگر احکام کو واجب وہی کرتی ہے۔ اس کے خلاف معتزلہ کے نزدیک عقل سمع پر قاضی اور حاکم ہے۔

انھیں مسائل کی بنا پر معتزلہ اپنے آپ کو سب سے بڑا موحد بتاتے اور اپنا لقب "اصحاب عدل و توحید" قرار دیا تھا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اُن کے عام اعتقادات یہ تھے کہ اللہ جل شانہ قدیم ہے اور قدیم ہونا اُس کی خاص ترین صفت ذات ہے۔ صفات باری کے قدیم ہونے سے اُن کو کلیتہً انکار تھا۔ اور اُس جل شانہ کے عالم قادر اور حی (زندہ) ہونے کے بارے میں وہ یہ تقریر کرتے کہ وہ عالم علم سے اور قادر قدرت سے اور حی حیات سے نہیں بلکہ اپنی ذات سے عالم و قادر و حی ہے۔ یہ تینوں قدیم صفات ایک قسم کے معانی ہیں جو اُس کی ذات قدیم میں قائم ہیں۔ کیونکہ اگر صفات علم و قدرت و حیات اُس کی ذات میں شریک ہو جائیں گے تو تعدد ذات لازم آئے گا اور شرک ہوگا۔

اس مسئلہ میں بھی اُن کے سب گروہوں کو اتفاق تھا کہ باری تعالیٰ کا کلام حادث اور ایک خاص محل میں مخلوق ہے جس سے عبارت صرف آواز ہے۔ قرآن کے نسخوں میں جو کلام موجود ہے وہ اس کلام مذکورہ کی نقل ہے۔ اُن کے اس خاص مسئلہ نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اہل سنت کے محدثین اور فقہائے سلف میں قیامت برپا کر دی تھی۔ اور بڑے بڑے علما کلام الٰہی کے قدیم کہنے کے جرم پر اسیر و پابزنجیر کیے گئے۔ اور بہت سے قتل ہو گئے۔

اس مسئلہ میں بھی سب معتزلہ متفق ہیں کہ اس کے ارادے سننے۔ اور دیکھنے کی صفتیں جو قرآن و حدیث میں متواتر خدا کی جانب منسوب کی گئی ہیں وہ ایسے معانی بھی نہیں ہو سکتیں جو اُس جل شانہ کی ذات میں قائم ہوں۔ مگر اس میں اُن کے درمیان اختلاف پڑا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوا ہے کہ اُن صفتون کا وجود کیونکر ہے؟ اور اگر وہ معانی ہین تو اُن کا محل کون ہے؟

عالم آخرت مین رویت باری تعالیٰ کے انکار مین بھی سب کو اتفاق ہے - اسی طرح اُن تمام صفات سے بھی قطعاً انکار کرتے ہین جن سے عقلاً خدا کا کسی جہت یا مکان مین ہونا یا جسمانی ہونا یا متحیز ہونا یا اُس کا نقل و حرکت کرنا ظاہر ہو - اور جن آیات قرآنی مین ان امور کا ذکر آگیا ہے اُن کو متشابہ کہتے اور اُن مین تاویل کرنا واجب جانتے ہین - اور اسی اعتقاد کو وہ اپنے نزدیک اصلی توحید تصور کرتے ہین -

اس عقیدے مین بھی تمام معتزلہ کو اتفاق ہے کہ بندہ اپنے کامون پر قادر اور اپنے بُرے بھلے تمام افعال کا خود ہی خالق ہے - چنانچہ اپنے افعال کی بنا پر مستوجب سزا و جزا ہو گا - حضرت عزاسمہٗ کی ذات اس سے مبرا و منزہ ہے کہ اُس کی جانب بُرائی ظلم - جبر اور افعال کفر و معصیت کو منسوب کیا جائے - اس لیے کہ وہ ظلم کو پیدا کرے تو ظالم قرار پائے گا جیسے کہ عدل کے پیدا کرنے سے وہ عادل ہے -

یہ بھی اُن کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ اللہ جل شانہ صرف بھلائی اور نیکی کرتا ہے - ازروے حکمت بندون کے مصالح کا لحاظ رکھنا اُس پر واجب ہے - اگرچہ اس بارے مین وہ باہم مختلف ہین کہ آیا اُس پر یہ بھی واجب ہے کہ وہی کام کرے جو سب سے اچھا ہو - اور بندون کے حال پر لطف کرے - اسی چیز کا نام اُنھون نے اپنی اصطلاح

مین عدل رکھا ہے۔

اس مسئلہ مین بھی سارے معتزلہ متحد الخیال ہین کہ مومن اگر
اطاعت و توحید کے ساتھ دنیا سے جائے تو مستحق ثواب ہوگا۔ اور
خدا کی جانب سے اجر یا فضل ہونا جداگانہ معانی سے عبارت ہے۔ اور
یہ چیزین ثواب کے علاوہ ہین۔ لیکن اگر انسان گناہ کبیرہ مین مبتلا ہونے
کے بعد بغیر توبہ کیے دنیا سے جائے تو وہ ہمیشہ مبتلائے عذاب رہے
گا۔ ہان اُس کا عذاب کفار کے عذاب سے خفیف البتہ رہے گا۔ اور
اسی چیز کو وہ لوگ اپنی اصطلاح مین وعد و وعید کہتے ہین۔

اس مسئلہ مین بھی سارے معتزلہ کا اتفاق ہے کہ حصول معرفت
اور شکر نعمت سمع یعنی نص شرع کے وارد ہونے سے پیشتر بھی انسان
پر واجب تھے۔ پھر اس کے ساتھ کہتے ہین کہ اچھے اور برے کی معرفت
عقل سے ہوتی ہے۔ یعنی اچھا کام کرنا اور برے کامون سے بچنا
انسان پر از روے عقل واجب ہے۔ تکالیف شرعیہ کا نزول خدا
کی مہربانیان ہین جن کو اُس نے انبیا کے ذریعے سے بھیجا۔ اور بندون
کو اختیار دے کر آزمایش مین ڈالا۔ تاکہ جو ہلاک ہو دلیل سے جہان سے
ہلاک ہو۔ اور جو جیے دلیل سے جیے۔

انھین عقائد کی بنا پر انھین قدریہ کہتے ہین۔ جس کے اصطلاحی
معنی یہ ہین کہ وہ بندون کو اپنے افعال پر قادر سمجھتے اور ان کے
فاعل مختار ہونے کے قائل ہین لیکن اس عقیدے کی مذمت مین کئی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صریح اور صحیح حدیثیں وارد ہیں جن کی صحت میں معتزلہ کو بھی شک نہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ "القدریۃ مجوس ہذہ الامۃ" یعنی قدر کا عقیدہ رکھنے والے اس امت یعنی امت محمدی کے مجوسی ہیں۔

دوسری یہ کہ "القدریۃ خصماء اللہ فی القدر" یعنی قدریہ لوگ مسئلہ قدر میں خدا کے دشمن ہیں۔ ان حدیثوں کی زد سے بچنے کے لیے معتزلہ نے لفظ قدر کے معنی ہی بدل کے بہت عام کر دیے۔ اور کہنے لگے "قدر اس عقیدے کا نام ہے کہ کہا جائے خیر و شر دونوں خدا نے مقدر کر دیے ہیں۔" مگر قدر کے جو معنی ہم نے پہلے بتائے وہ عہد رسالت سے چلے آتے تھے۔ اور کبھی پیشتر یہ معنی نہیں سمجھے گئے جو لغت میں تصرف کر کے معتزلہ نے بتائے ہیں۔

امامت کے مسئلہ میں معتزلہ میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض شیعوں کے عقائد کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ اور بعض اہل سنت کے ہم خیال ہیں۔

یہ وہ مسائل تھے جن میں تمام ائمہ معتزلہ کو اتفاق ہے۔ مگر کتب فلسفہ کے مطالعے سے اُن پر یونان کے فلاسفۂ الٰہیین اور طبعیین دونوں کے خیالات کا روز بروز زیادہ اثر پڑتا گیا۔ اور ہر روز اُن کی ایک نئی شان نظر آئی۔ چنانچہ اُن کے مختلف فاضلوں نے اپنے مجتہدانہ اذہان اور فلسفیانہ اسلوب سے ہر روز ایک نئی صورت دکھائی۔ اور اُن کے بہت سے فرقے ہو گئے جن میں سے بارہ کا شہرستانی نے خاص طور پر

فرقے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔ واصلیہ۔ ہذیلیہ۔ نظامیہ۔ حائطیہ۔ بشریہ۔ معمریہ۔ مزداریہ۔ ثمامیہ۔ ہشامیہ۔ جاحظیہ۔ خیاطیہ۔ جبائیہ۔

مسلمانوں کی واقفیت اور مذکورہ فرق معتزلہ کی حکیمانہ جہالت کی دکھانے کے لیے میں مختصر طور پر اُن سب کے خیالات و عقائد کا بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اور بغیر اس کے آپ کو اُس عہد کے خطرناک ترین فتنے کا صحیح اندازہ بھی نہ ہو سکے گا۔

واصلیہ یہ فرقہ اُسی واصل بن عطا غزال کا پیرو ہے جس نے حضرت حسن بصری کے حلقۂ درس سے جدا ہو کر اپنی نئی مسجد بنائی اور جس کی اس حرکت سے معتزلہ کو "اعتزال" کا خطاب ملا۔ یہ شخص عبدالملک بن مروان کے عہد سے ہشام بن عبدالملک کے عہد تک تھا۔ اس کے پیرو سرزمین اندلس تک جا پہونچے تھے۔ اور "واصلیہ" کہلاتے تھے۔ ان کے عقائد کو چار بحثوں سے تعلق ہے جن کو وہ قاعدے کہتے ہیں۔

پہلا قاعدہ یہ تھا کہ ان لوگوں کو خدا کے صفات علم، قدرت، ارادے، اور حیات سے انکار تھا۔ اس عقیدے کی بنیاد واصل نے اس ظاہری مسلم الثبوت مسئلہ پر رکھی جس کے ماننے میں کسی کو بھی شبہہ نہیں کہ "دو قدیم ازلی خداؤں کا وجود محال ہے"۔ چنانچہ کہا کرتا "جس کسی نے کسی معنے یا صفت کو قدیم بتایا اُس نے گویا دو خداؤں کے موجود ہونے کا دعوی کیا"۔

اُس کے پیرووں نے اُس کے بعد فلاسفۂ یونان کی کتابوں

کا مطالعہ کیا۔ اور بڑھتے بڑھتے اِس حد کو پہونچے کہ خدا کے جملہ صفات کے منکر ہو گئے ۔ سب صفتوں کو اُس کے عالم و دانا ہونے کی دو صفتوں میں سمیٹ لائے۔ اور حکم لگایا کہ یہ اُسکی ذاتی صفتیں ہیں۔ ہوتے ہوتے جبائی نے کہہ دیا کہ "یہ دونوں اُسکی ذات کے دو اعتبارات ہیں" یا بقول ایک دوسرے مجتہد فی الاعتزال ابو ہاشم کے "وہ حالتیں ہیں"۔ بعض متکلمین معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ حسن بصری بھی اس جانب مائل ہو گئے تھے کہ انھوں نے باری تعالیٰ کے جملہ صفات کو ایک ایک صفت عالمیت میں سمیٹ دیا مگر مجھے اس کا یقین نہیں۔ اس لیے کہ تمام ائمۂ محدثین سلف اس خیال کے کلیتہً خلاف تھے۔ اور کیوں نہ خلاف ہوتے جبکہ کتاب و سنت میں اللہ جل شانہ کے بہت سے صفات کو صاف اور صریح الفاظ میں مذکور پاتے تھے۔

دوسرا قاعدہ۔ عقیدۂ قدر کے متعلق تھا۔ اس میں واصل بن عطا نے اُس مبتدع مسلک کو اختیار کر لیا تھا جس کا فتنہ معبد جہنی اور غیلان دمشقی سے ظاہر ہونے کے بعد اب دب چکا تھا۔ اس مسئلہ میں واصل کو پہلے قاعدے سے زیادہ انہماک تھا۔ اور اُس کی تقریر اس مسئلہ میں یہ تھی کہ "باری تعالیٰ حکیم و عادل ہے۔ لہذا اُسکی جانب ظلم و شر کو منسوب کرنا جائز نہیں۔ اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بندوں کو جو حکم دے اُس کا ارادہ اُس کے خلاف ہو۔ خود ہی ایک بات کا حکم دے۔ اور پھر اُسی کی بنا پر عذاب کرے۔ اس لیے ضروری ہے

خود بندہ فاعل خیر و شر ہے۔ اور خود اپنے اختیار سے ایمان و کفر کو اختیار کرے۔ یا عبادت و معصیت کرے۔ اس صورت میں بندے کو خود اپنے افعال کا بدلہ ملے گا۔ پروردگار جل شانہٗ نے اُس کو اُن افعال کی قدرت دی ہے۔ غرض بندے اپنے افعال حرکات و سکنات۔ اعتقادات، افکار اور علوم میں پورے مختار ہیں۔ اُس کا یہ بھی مقولہ تھا: محال ہے کہ بندے کو ایک حکم ہو اور اُس پر عمل کرنا اُس کے امکان سے باہر ہو۔ وہ بالطبع اپنے لیے قدرت اور عمل چاہتا ہے۔ اور اُس کی اس فطرت سے انکار کرنا بداہت کا انکار ہوتا ہے۔ مگر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اقتدارات کے ساتھ واصل نے بلا میں پڑنے، عافیت، شدت، راحت، مرض، شفا، جیسے کہ زندگی اور موت کو بھی اقتدارات انسانی کے ضمن میں رکھا ہے۔

تیسرا مادہ "منزلت بین منزلتین" کا مسئلہ جس کی وجہ میں وہ اپنے استاد سے جدا ہوا تھا۔ اس میں اُس کا اعتقاد یہ تھا کہ کافر و مومن کے درمیان ایک تیسرا درجہ فاسق کا ہے۔ جو خیال ظاہر نصوص قرآنی کے خلاف ہے۔ اُس کا یہ بھی بیان تھا کہ آخرت میں صرف دو گروہ ہوں گے۔ ایک جنت والوں کا اور دوسرا دوزخ والوں کا۔ فاسق وہاں دونوں سے جدا ہوگا۔ اس پر عذاب میں تخفیف ہوگی، اور اُس کا مقام کافروں

سے بالاتر ہوگا۔

ہذیلیہ ابو ہذیل حمدان بن ابی الہذیل علاف کے پیرو۔
یہ معتزلہ کا بہت بڑا امام تھا۔ اور ان کی طرف سے مناظرہ کیا کرتا
واصل بن عطاء کے شاگرد خالد طویل کا شاگرد تھا۔ اور دس
مسئلوں میں اس نے عام معتزلہ لوگوں سے اختلاف کیا۔

پہلا اللہ تعالیٰ عالم ہے علم سے اور اس کے علم سے مراد
خود اس کی ذات پاک ہے۔ اسی طرح وہ قادر ہے قدرت سے اور
حی ہے حیات سے۔ اور یہ سب صفات اس کے عین ذات ہیں۔
جن لوگوں کو فلاسفہ یونان کے خیالات معلوم ہیں وہ بخوبی سمجھ
سکتے ہیں کہ یہ باتیں انھیں سے لی ہوئی ہیں۔ یونان کے حکیموں کا
اعتقاد تھا کہ باری تعالیٰ واحد ہے جس میں کسی قسم کی کثرت نہیں
اور صفات ذات باری سے الگ کوئی معانی قائم بالذات نہیں
بلکہ اس کے عین ذات ہیں۔ جو لوگ خدا ے تعالیٰ کو علم سے نہیں
بلکہ خود اپنی ذات سے عالم بتاتے ہیں اور وہ لوگ جو اس
وحدہٗ لاشریک کو علم کے ذریعہ سے عالم بتاتے مگر اس علم
کو عین ذات کہتے ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے نفی صفت
کرتے اور ذات باری کو بے صفات ثابت کرتے ہیں۔ اور دوسرے
صفت کو مانتے ہیں مگر اسے عین ذات باری کہتے ہیں۔ ابو الہذیل
اپنے خیال کے مطابق اگر ذات باری تعالیٰ میں صفات وجہات

کو ثابت کر سکے تو یہ بعینہٖ نصارا کا مسئلہ "اقانیم ثلثہ" ہو گا۔

دوسرا اُس نے اپنے ارادون کے موجود ہونے کا دعوی کیا جو کسی محل مین نہ ہون اور اُنھین ارادون کا مرید یعنی ارادہ کرنے والا خداے جل جلالہ کو بتایا۔ گر متاخرین معتزلہ اس مسئلہ مین اُس کے خلاف ہین۔

تیسرا باری تعالیٰ کے کلام کے بارے مین اُس نے دعوی کیا کہ اُس مین سے بعض ایسے ہین جو کسی محل مین نہین قائم ہین۔ جیسے کہ اُس کا قول "کُن" جو کسی محل مین نہ تھا۔ اور بعض محلون مین ہین جیسے اوامر نواہی۔ اور اخبار۔ اس مسئلہ مین اُس نے یہ تفریق کی ہے کہ تکوین یعنی پیدا کرنے کا حکم دینا اور "کُن" کہنا اور تھا اور تکلیف یعنی بندون کو مکلّف بنانے کا حکم اور ہے۔

چوتھا۔ مسئلۂ قدر جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ اس مین اگرچہ سارے معتزلہ اُس کے ہم خیال ہین گر اُس نے سب سے الگ ایک تھوڑی سی جدّت طرازی بھی کی ہے یعنی وہ دنیا مین تو قدر کا قائل ہے۔ گر آخرت مین جبر کا۔ کہتا ہے "جنّت و دوزخ مین بندون کو اپنے افعال و حرکات پر قدرت نہ حاصل ہو گی۔ اُن کے تمام افعال خداے تعالےٰ کے مخلوق ہون گے کیونکہ وہان اگر اُن کے افعال اختیاری ہوتے تو وہ مکلّف بھی ہو جاتے"۔

پانچوان اُس کا دعوی ہے کہ جنّت اور دوزخ والون

سکے افعال و حرکات منقطع ہو جائین گے اور وہان ایک سکون کا عالم ہو گا۔ اُس سکون مین ساری لذتین جنت والون کے ساتھ اور سارے ہموم و آلام دوزخ والون کے ساتھ جمع ہو جائین گے۔ اُس کا یہ عقیدہ جہم کے عقیدے سے التباس رکھتا ہے جو قائل تھا کہ جنت و دوزخ دونون فنا ہو جائین گے۔

چھٹا استطاعت یعنی کچھ کرنے کی قدرت ہونا۔ اس مین وہ کہتا ہے کہ استطاعت ایک عرض ہے بہ خلاف تندرستی و مرض کے۔ اُس نے افعال قلب اور افعال جوارح مین بھی تفریق کی ہے کہتا ہے کہ قدرت و استطاعت نہ ہونے کے باعث افعال قلبیہ کا وجود نہین ثابت ہوتا۔ اور افعال جوارح کے وجود کو اُنھین اختیاری تسلیم کرنے کے باعث اُس نے مان لیا ہے۔ اِس کے ساتھ مدعی ہے کہ بندے کے افعال سے جو امور پیدا ہون وہ بھی اُسی کے افعال ہین۔ بجز رنگ۔ مزے۔ اور بو اور ایسی تمام چیزون کے جن کی کیفیت نہ معلوم ہو۔ علم و ادراک کے بارے مین وہ کہتا ہے کہ حادث ہین جو سماعت۔ تعلیم یا خبر سے کسی ذات مین پیدا ہو جایا کرتے ہین۔ مگر اُن کو اللہ پیدا کرتا ہے بندون کے افعال نہین ہین۔

ساتوان۔ کہتا ہے صاحب فکر پر واجب ہے کہ ورود سمع سے پہلے ہی خدا کو دلائل سے پہچانے۔ اور نہ پہچانے تو مستوجب

خدا پیدا ہوگا۔ اسی طرح ہر بُری چیز کی برائی اور ہر بھلی چیز کی بھلائی
کا عقل سے سمجھ لینا بھی اُس پر واجب ہے۔ چنانچہ اچھے کام کو اختیار
کرنا اور بُرے کام سے پرہیز کرنا اُس پر واجب ہے۔ عبادت
کی نسبت اُس کا قول ہے کہ اُس سے نہ خدا مقصود ہے اور نہ تقربِ
الٰہی۔

آٹھواں۔ اجل اور رزق کے معاملے میں وہ کہتا ہے کہ
تقدیری ہیں۔ اگر کوئی شخص نہ قتل کیا جائے تو بھی موت کا مقررہ وقت
آتے ہی مر جائے گا۔ کیونکہ عمر میں زیادتی و کمی جائز نہیں۔ اور رزق
کے بارے میں کہتا ہے کہ جو چیزیں جائز ہیں وہی رزق ہیں ناجائز
چیز رزق نہیں ہو سکتی۔

نواں۔ بعض لوگ اُس کا یہ عجیب قول بھی بتاتے ہیں کہ
ارادۂ باری غیر مراد ہے۔ یعنی خود خدا کو اُس کا ارادہ نہ تھا۔
کسی مخلوق کو پیدا کر دینا ہی اُس کا ارادہ ہے۔ اُس کے خیال میں
کسی شے کو پیدا کرنا ایک شے غیر ذات ہے۔ پیدا کرنے کی نسبت کہتا ہے
کہ وہ خدا کا ایسا قول ہے جو کسی محل میں ہے۔ اور مدعی ہے کہ قبل
تخلیقِ عالم ازل میں خدا تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے کے یہ معنے
ہیں کہ عنقریب سُنے اور دیکھے گا۔ اور یہی معنے غفور۔ رحیم۔ خالق۔
اور رازق وغیرہ کے ہیں کہ آئندہ بخشے گا۔ رحم کرے گا۔ اور
پیدا کرے گا۔ اور روزی دے گا۔

دسواں: ایک جماعت نے اُس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ غائب چیزوں کی حجت میں شہادتوں سے تائید ہوتی ہے جن میں سے ایک یا زیادہ کا جنتی ہونا شرط ہے۔ قائل ہے کہ زمین ایسے اولیاء اللہ اور معصومین سے کبھی خالی نہیں رہتی جو نہ جھٹلائے جا سکیں۔ اور نہ کبائر کے مرتکب ہوں۔ ہذیل نے بعہد متوکل علی اللہ کے زمانے میں سو برس کا ہو کر ۲۳۵ھ میں راہی دار آخرت ہوا۔

نظّامیہ - ابو اسحٰق ابراہیم بن سیار نظّام کے پیرو۔ اس شخص نے کتب فلسفہ کا بہت مطالعہ کیا تھا۔ اور اگلے فلسفیوں کی باتوں کو بکثرت معتزلہ کے خیالات میں ملایا کرتا۔ اُس کے مخصوص خیالات و معتقدات یہ ہیں۔

پہلا خیر و شر کے خدا کی جانب سے مقدر ہونے کے انکار میں وہ اتنا آگے بڑھ گیا کہ کہتا ہے "اللہ جل شانہ کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بُرائیوں اور گناہوں پر قادر ہے" دیگر معتزلہ کہتے تھے کہ "اُن پر خدائے تعالے قادر تو ہے مگر کرتا نہیں" نظّام اُن کے خلاف کہتا ہے کہ "نہیں وہ بُرائی کر ہی نہیں سکتا" اور اِس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بُرائی جب بُری چیز ہے اور جس کی جانب منسوب ہو اُس کی صفت ذاتی ہوا کرتی ہے تو اُسے اللہ جل شانہ کی جانب کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ اُس سے فعل بد کا سرزد ہونا بھی بُرائی ہے۔ لہذا واجب ہے کہ ایسا نہ ہو۔ جو ذات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عدل کرنے والی ہو اُس کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ظلم کی قدرت رکھتی ہے" یہ بھی کہتا ہے کہ جن باتوں میں بندوں کی رفاہ و فلاح نظر آئے اُن پر تو خدائے تعالٰے قادر ہے۔ مگر جن باتوں میں بندوں کی بھلائی مقصود نہ ہو اُن پر اُسے قدرت نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہے۔ مگر یہ اصول فقط دنیا کے لیے اور دنیا میں ہے۔ امور آخرت کے بارے میں اُس کا عقیدہ ہے کہ وہاں خدا کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ اہل دوزخ کے عذاب کو کچھ گھٹا کے بڑھا سکے یا اہل جنت کی نعمتوں میں کسی قسم کی کمی زیادتی کرے۔ یا کسی کو دوزخ سے نکال کے جنت میں یا جنت سے نکال کے دوزخ میں پہونچا دے

لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس سے تو خدا مجبور ہو گیا۔ قادر تو اُسے کہتے ہیں جو اپنے افعال میں سے کسی کے ترک یا اختیار کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ "یہ الزام تم مجھے دیتے ہو وہی تم پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تم بھی اُس کے بعض افعال کے صدور کو محال بتاتے ہو"

دوسرا۔ ارادۂ باری تعالٰی یعنی ارادے کی صفت سرے سے معدوم ہی نہیں ہے۔ اور قرآن و حدیث میں جہاں جہاں خدا کا ارادہ کرنا بتایا گیا ہے وہاں ارادے سے مراد ارادہ نہیں بلکہ پیدا اور ایجاد کرنا مقصود ہے۔

تیسرا۔ کہتا ہے کہ بندوں کے جملہ افعال صرف حرکات

ہین۔ سکون بھی حرکت ہی ہے کیونکہ وہ حرکت قیامی کا نام ہے
علوم اور ارادے سب حرکات نفس ہین۔ اُس کی اصطلاح مین
حرکت تغیر و تبدل کا نام نہین بلکہ اس سے مراد کسی تغیر نا ہیما
میلی ہے۔

چوتھا۔ فلسفیون کی طرح وہ بھی کہتا ہے کہ انسان دراصل
روح کا نام ہے۔ نفس اور جسم اُس کے آلات اور قالب ہین روح
کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ ایک جسم لطیف ہے جو بدن کے رگ رگ
اور ریشے ریشے مین جاری و ساری ہے جیسے مائیت گلاب مین۔
دُہنیت تلون مین۔ یا زبدیت دودھ مین۔ روح ہی ہے جسے
قوت استطاعت۔ زندگی۔ اور ارادہ حاصل ہے۔ لہذا وہ کام ہے
عمل کرنے سے پہلے ہی مستطیع ہے۔

پانچوان۔ چونکہ قدرت و استطاعت کا درجہ عمل سے
پہلے اور افضل ہے لہذا قدرت و استطاعت ہی خدا کا وہ فعل ہے
جو پیدا کرنے کو واجب کرتا ہے۔

چھٹا۔ جزو لایتجزی سے اس کو بخلاف عام متکلمین کے
انکار تھا۔

ساتوان۔ یہ کہ جوہر بہت سے عرضون سے مرکب ہے
اور اُنھین کے مجتمع ہونے سے جوہر بن گیا۔

آٹھوان۔ اس کا دعوی تھا کہ خدا ... تعالی نے تمام

موجودات کو ایک ہی وقت میں پیدا کر دیا۔ اُسی حال پر جس پر کہ
اب ہیں۔ آدم کی تخلیق اُن کی اولاد کی پیدائش سے پیشتر نہ تھی۔
صرف اُن کا ظہور پہلے اور اولاد کا بعد ہوا۔

نواں۔ قرآن کا معجزہ فقط اس قدر ہے کہ اس میں گذشتہ
و آئندہ واقعات کی خبریں دی گئی ہیں۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار
سے نہیں۔ یہ غیر ممکن نہ تھا کہ عرب کوئی قرآن کی صورت تصنیف کرکے
پیش کر دیتے۔

دسواں۔ یہ کہ وہ اجماع کو شرع میں حجت نہیں مانتا
تھا۔ اور نہ احکام شرعیہ میں قیاس کے جائز ہونے کا قائل تھا کہتا
کہ حجت صرف امام معصوم کا قول ہوتا ہے۔

گیارھواں۔ تبدیل کا رجحان شیعیت کی طرف تھا چنانچہ
وہ کبار صحابہ پر طعن کیا کرتا تھا۔ اُس نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا کہ امامت
بغیر نص یعنی صریح حکم خدا و رسول کے نہیں ہو سکتی اس کے بعد دعویٰ
کرتا کہ جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علی کی امامت کے بارے
میں صریح نص فرما دی تھی اور اُس کو اس قدر صاف اور عیاں کر دیا
تھا کہ اُس میں ذرا سے شبہ کی بھی گنجائش نہ تھی مگر حضرت عمر نے اُس کو
چھپا ڈالا۔ اور سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا۔ اسی
طرح کے اور بہت سے الزامات اُس نے حضرت عمر کو دیے جیسے کہ عموماً
شیعہ دیا کرتے ہیں۔ اسی قدر نہیں وہ بہت سی ذو دلانہ عقل اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خلاف قیاس روایتوں کو پیش کرکے صحابہ پر طعن و تشنیع کرنے لگا تھا۔

بارھواں۔ یہ کہ جو شخص عاقل اور صاحب بصیرت و نظر ہو اُس پر باری تعالے کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے۔ اور انسان کے تمام افعال میں تحسین و تقبیح یعنی بھلا یا برا سمجھنے کا حاکم اور قاضی وہ شرع کے مقابلے میں عقل کو بتاتا۔

تیرھواں۔ وعد و وعید کے مسئلہ کے متعلق اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ چوری، ظلم اور فسق جب تک زکوٰۃ کے درجے یعنی دو سو درہم کی مقدار کو نہ پہونچ جائیں جرم نہیں ہیں۔

حائطیہ۔ احمد بن حائط کے پیرو۔ اور اُنھیں کے قریب قریب **حدثیہ** فرقہ تھا جو لوگ فضل حدثی کے پیرو تھے۔ یہ دونوں نظام کے شاگرد تھے اور فلسفہ کی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ اور نئی نئی بدعتیں ایجاد کرتے اور انوکھے مسائل نکالتے۔ مگر اُن کی خاص تین باتیں قابل بیان ہیں۔

پہلی۔ یہ کہ اُس نے نصرانیوں کی پیروی میں حضرت مسیح کی ذات میں ایک الٰہی حکم تسلیم کرلیا۔ اور معتقد تھا کہ مسیح ہی ہیں جو حشر کے دن بندوں کا حساب و کتاب کریں گے۔ کہتا کہ قرآن مجید میں جو آیا ہے "وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا" اُس میں رب سے مسیح مراد ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہ وہ ابر کے سایے میں آئیں گے۔ آیۂ کریمہ "اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ" میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اسی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

طرح احادیث «اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰن» (بہ تحقیق اللہ نے آدم کو رحمن کی صورت پر پیدا کیا) اور «یَضَعُ الْجَبَّارُ قَدَمَہٗ فِی النَّارِ» (جبار (خدا) اپنا قدم دوزخ مین رکھے گا) مین "رحمن" اور "جبار" سے مراد مسیح ہین۔ اُس کا قول تھا کہ مسیح نے جسمانی جسد کا لباس پہن لیا۔ وہ کلمۂ قدیمہ متجسدہ تھے۔ اور یہی عقیدہ نصارا کا ہے۔

دوسری وہ تمام معتزلہ سے قدم آگے بڑھا کے مسئلہ تناسخ کا بھی قائل ہوگیا۔ کہتا تھا کہ خدا نے جملہ مخلوق کو عاقل و بالغ صحیح و سالم اس دنیا کے سوا ایک دوسرے عالم مین پیدا کیا۔ پھر اُن مین علم اور اپنی معرفت کو پیدا کر دیا۔ اور اپنی نعمتین اُن کو عطا کین۔ یہ جائز نہین ہے کہ باری تعالے پہلے پہل جسے پیدا کرے وہ عاقل ناظر اور عبرت پذیر نہ ہو۔ اُنھین پیدا کرنے کے بعد سب کو اپنا شکر ادا کرنے کا مکلف کیا۔ بعض نے اطاعت کی اور اُس کے حکمون پر عمل کیا۔ بعض نے نافرمانی کی۔ اور بعض نے بعضے احکام مانے اور بعضے نہین مانے جنھون نے سب احکام پر عمل کیا اُنھین جنت مین رکھا۔ جنھون نے کل حکمون کی نافرمانی کی اُنھین اُس اصلی عالم نعمت سے نکال کے دوزخ مین پھینک دیا۔ اور جنھون نے بعضے حکم مانے اور بعضے نہین مانے اُنھین اس دنیا مین بھیجا۔ اُن کو یہ کثیف جسم پہنائے۔ اور مختلف صورتون سے خوف و ضرر۔ شدت و سہولت اور آلام و لذات

میں مبتلا کیا۔ اُن کو اُن کے گناہوں کے مناسب آدمیوں اور
جانوروں کی صورتیں دیں چنانچہ وہ اپنے گناہوں کے مطابق
دنیا میں صورتیں بدلتے رہیں گے۔ بعد کو چند اور اکثر معتزلہ بھی
اس خیال میں اُن کے ہم زبان ہو گئے۔ اور بعضوں نے اس پر
یہ اور اضافہ کیا کہ جنوں کی بہائم کی صورتیں ہوں [illegible]
کا اعلیٰ درجہ حاصل ہوا اُن پر سے اُن دونوں حالتوں میں شرع
کی تکلیفیں اُٹھ جاتی ہیں۔

حائطیہ اور حدثیہ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ آخرت میں پانچ
عالم ہیں۔ دو ثواب کے اُن میں سے ایک جس میں کھانا پینا جماع و
صحبت۔ باغ اور نہریں وغیرہ جسمانی لذات ہیں۔ دوسرا جس میں محض
روحانی لذتیں اور غیر جسمانی راحتیں ہیں۔ تیسرا محض عذاب و عقاب
کا عالم ہے اس سے جہنم مراد ہے۔ اس میں کوئی ترتیب اور درجہ
بندی نہیں ہے بلکہ سب کی حالت یکساں ہے۔ چوتھا وہ پہلا عالم نعمت
ہے جس میں خدائے تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اس عالم دنیا
میں آنے سے پہلے پیدا کیا تھا۔ اور یہ پہلی جنت ہے۔ پانچواں وہ مقام
اور عالم ہے جس میں خدا نے پہلے پہل سب کو مکلف کیا۔

تیسری) روئیت باری سے انکار۔ اس بارے میں جتنی
آیتیں اور حدیثیں وارد ہوئی ہیں اُن کے متعلق اُس کا خیال تھا
کہ سب میں عقل اوّل فعّال کا دیکھا جانا مراد ہے جو مخلوق کو صورتیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ثابت کرتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے جو فرمایا ہے کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَہٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَہٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ فَقَالَ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَحْسَنَ مِنْکَ بِکَ اُعِزُّ وَبِکَ اُذِلُّ وَبِکَ اُعْطِیْ وَبِکَ اَمْنَعُ۔ (اللہ نے پہلے جو چیز پیدا کی عقل ہے۔ تخلیق کے بعد اُس سے کہا اِدھر پھر وہ اِدھر پھری۔ پھر کہا اُدھر مڑ وہ اُدھر مڑ گئی تب فرمایا۔ اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں نے تجھ سے اچھی کوئی چیز نہیں پیدا کی۔ تجھی سے میں عزت دوں گا۔ اور تجھی سے ذلت۔ تجھی سے دوں گا اور تجھی سے (روزی کو) روکوں گا۔) اس سے وہی عقل اوّل فعال مراد ہے جو قیامت کے روز نمایان ہوگی سامنے سے پردے اُٹھ جائیں گے۔ اور وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح آنکھوں کے سامنے ہو جائے گی۔ خود باری تعالے ہرگز نہیں دیکھا جا سکتا۔

بشریہ۔ بشر بن مُعتمر کے پیرو۔ یہ معتزلہ کے بڑے فاضل علما میں سے تھا۔ اور مسئلۂ "تولد" کا یہی پہلا بانی ہے جس میں وہ حد سے گزر گیا۔ اس مسئلہ اور چند اور مسائل میں وہ دیگر معتزلہ سے منفرد ہے جو حسب ذیل ہیں۔

پہلا۔ اُس کا تولد کا مسئلہ وہ یہ تھا کہ اُس کے خیال میں رنگ۔ مزہ۔ بو اور تمام ادراکات محض سننے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور دیکھنے کی نسبت کہتا کہ ممکن ہے یہ قوت ادراکیہ کسی غیر پر عمل کرنے سے پیدا ہو جاتی ہو۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دوسرا۔ استطاعت اُس کی تحقیق مین سلامتی اعضا و صحت
جوارح۔ اور اُن کے آفات سے محفوظ رہنے سے استطاعت پیدا
ہوتی ہے۔

تیسرا۔ اُس کا دعوی تھا کہ اللہ جل شانہ معصوم بچے پر ظلم
کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ مگر وہ ایسا کرتا نہین۔ گو کہ ایسا ہے مگر یہ
اچھا نہین کہ کہا جائے وہ ظلم کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ خدا
کسی معصوم بچے پر ظلم کرے تو در اصل وہ بچہ نابالغ نہین بلکہ
عاقل و بالغ ہوگا۔ اُس نے گناہ کیا۔ اور مستحق عذاب ہوگیا۔

چوتھا۔ اُس کا یہ قول بھی سُنا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارادہ
بھی اُس کے افعال مین سے ایک فعل ہے دو صورتون پر ہے یا تو یون
کہ وہ صفت ذات ہے۔ یا یون کہ صفت فعل ہے صفت ذات کی
صورت یہ ہے کہ وہ جل شانہ ہمیشہ اپنے تمام افعال کا ارادہ کرتا
تھا۔ اور نیز اپنے بندون کی تمام عبادتون کا۔ اس سے کہ وہ حکیم ہے
اور یہ جائز نہین کہ کوئی حکیم بھلائی اور نیکی کا علم رکھے اور اس کا
ارادہ نہ کرے۔ اور صفت فعل یون کہ اُس نے پیدا کرتے وقت
اپنے فعل نفس کا ارادہ کیا۔ لہذا وہ ارادہ بھی مخلوق اور قبل
تخلیق ہے۔

پانچوان وہ کہتا ہے خدا کے پاس ایک لُطف ہے۔ اگر
اُسے کام مین لائے تو تمام ساکنین ارض ایمان لاکر مستحق ثواب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا پر واجب نہیں ہے کہ بندوں کے ساتھ ایسا سلوک کی
کرے۔ کیونکہ اُس کے لیے لازم نہیں ہے کہ ہر امر میں اصلح یعنی بہتر یا
صورت کو اختیار کرے۔ اصلح ایک اضافی شے ہے۔ اور کوئی ایسا
اصلح نہیں جس سے کوئی اصلح تر موجود نہ ہو۔ خدا کے لیے صرف اتنا
واجب و لازم ہے کہ بندوں کو قدرت و استطاعت دے۔ اور
اس کے ساتھ دعوت۔ ہدایت۔ رسالت اور فکر و غور کے لیے
وجوہ و اسباب بصیرت پیدا کر دے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے افعال
میں فاعل مختار ہو گیا۔ تو دو خاطر ان یعنی دونوں نفسوں کی کشش
سے مشغول و مامون ہو گیا۔ اور یہ دونوں نفس خدا کی طرف سے نہیں
بلکہ شیطان کی طرف سے ہیں۔ کہتا ہے فکر و غوض کرنے والے کے پاس
اُس کے فکر کرنے سے پیشتر شیطان آ کر اُس کے دل میں شکوک و شبہات
نہیں پیدا کرتا۔ اور اگر شیطان کا فکر سے پہلے آنا تسلیم کیا جائے تو اس
بارے میں پھر وہی تقریر ہو گی کہ اسباب بصیرت اُس سے پیشتر پیدا ہو چکے تھے۔

چھٹا یہ کہ جو کوئی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہونے اور اُس سے توبہ
کرنے کے بعد پھر اُس کا مرتکب ہو تو اُس کا پہلا استحقاق عذاب عود
کر آتا ہے۔ اگرچہ توبہ سے پہلے اُس عذاب کے متعلق شرط تھی کہ عود
نہ کرے گا۔

معمریہ۔ معمر بن عباد سلمی کے پیرو۔ یہ سب سے بڑا قدری
العقیدہ شخص تھا صفات الٰہی اور خیر و شر کے منجانب اللہ ہونے

ہین وہ اس درجہ سخت اور شدید تھا کہ اُس کے خلاف عقیدہ رکھنے والون کو کافر و گمراہ بتاتا۔ اور چند خاص مسائل مین دیگر معتزلیون سے منفرد ہے۔

پہلا۔ کہتا ہے کہ خداے تعالی نے بجز اجسام کے کسی چیز کو نہین پیدا کیا۔ اعراض اجسام کے اختراع و ایجاد کیے ہو ہین۔ یا بالطبع پیدا ہو گئے ہین۔ جیسے آگ سے جلانا۔ آفتاب سے گرمی وغیرہ۔ یا اختیاری طور پر پیدا ہوے ہین جیسے کہ حیوان حرکت و سکون اور اجتماع و افتراق کو پیدا کرتا ہی حیرت کی یہ بات ہے کہ اُس کے خیال مین جسم کا پیدا ہونا اور فنا ہونا بھی عرض ہین۔ اور جب وہ کہتا ہے کہ خدا نے عرض کو نہین پیدا کیا تو سمجھنا چاہیے کہ اُس کے خیال مین جسم کا پیدا اور فنا ہونا بھی خداے تعالی کے کام نہین ہین۔ اس عقیدے کا انجام یہ ہے کہ خداے تعالے کا کوئی فعل باقی ہی نہین رہتا۔ اور مسلمانون کا خدا یونانیون کا خداے معطل بن جاتا ہے۔

دوسرا۔ یہ کہ اعراض ہر نوع مین غیر متناہی ہین۔ پھر اس کے ساتھ اُس نے دعوی کیا کہ "ہر عرض کسی محل مین قائم ہے اور اُن کا قیام ایسے معانی سے مراد ہے جو اُس قیام کو واجب کر دیتے ہین"

تیسرا۔ یہ قول بھی اُسی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کہ خدائے تعالےٰ کا ارادہ غیر اللہ ہے۔ اور وہ اُس کے کسی
چیز کو پیدا کرنے یا اُس کے امر و نہی و اخبار کے بھی علاوہ ہے۔
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارادۂ باری تعالےٰ ایک مجہول و نامعلوم
الاصل چیز رہ گیا۔ اُس کا یہ بھی قول ہے کہ انسان کے لیے بجز ارادے
کے اور کوئی فعل نہیں ہے۔ وہ ارادہ عام اس سے کہ تعمیلاً ہو یا
تولیداً۔ یعنی چاہے اُس کا فعل ہو۔ یا اُس کی ایجاد۔ اور قیام و قعود
اور حرکت و سکون میں سے جو خیر و شر کے متعلق ہوں اُس کے تکلیفی
افعال ہیں یعنی وہ کام جن سے وہ مکلّف ہوتا ہے۔ یہ افعال اس
کی جانب نہ بطریق عمل منسوب کیے جاتے ہیں۔ نہ بطریق تولید اُس
کے مسلک میں انسان ایک معنی یا جوہر ہے غیر جسد۔ وہ عالم قادر
مختار اور حکیم ہے۔ نہ متحرک ہے۔ نہ ساکن۔ نہ متکوّن ہے۔ نہ متمکن۔
نہ دیکھا جاتا ہے نہ چھوا جاتا ہے۔ اور نہ محسوس ہوتا ہے۔ اور
نہ وہ کسی زمانے میں محصور ہے۔ لیکن وہ مدبر جسد ہے۔ اور
بدن سے اُس کو صرف تدبیر و تصرف کا علاقہ ہے۔

چوتھا۔ یہ امر بھی اُس کی جانب منسوب کیا جاتا ہے
کہ وہ اللہ جل شانہٗ کے قدیم ہونے سے بھی منکر تھا۔ اس لیے کہ لفظ
قدیم "قِدَم" سے ماخوذ ہے جو ایک فعل ہے۔ اور ذات باری اس
سے منزہ ہے کہ کسی اور چیز سے ماخوذ ہو۔ اور اسی کی بنا پر اُس
نے دعویٰ کیا کہ باری تعالےٰ کا وجود زمانی نہیں ہے۔ اسی سلسلے میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس نے کہا کہ "خلق غیر مخلوق ہے" اور احداث غیر محدث ہیں"
جعفر بن حرب نے اُس کا یہ دعویٰ بھی بیان کیا ہے کہ "محال ہے
اللہ تعالےٰ خود اپنی ذات کا علم رکھتا ہو۔ یعنی اپنے کو جانے
کیونکہ اگر جانے تو عالم و معلوم ایک ہو جائیں گے" پھر کہتا ہے "اسی
بنا پر یہ بھی محال ہے کہ خدا اسے تعالےٰ کو اپنے غیر کا علم ہو اور یہ
بھی محال ہے کہ من حیث اپنے موجود ہونے کے اُسے موجود ذات
پر قدرت حاصل ہو"

اِن خیالات سے صاف نظر آتا ہے کہ فلسفۂ یونان کے چکر
میں پڑ کے معتزلہ کہاں سے کہاں پہونچ گئے تھے۔ اور ناقص عقل کی
تقلید میں جس کو وہ حماقت سے شرع پر حاوی سمجھے گئے تھے اُن
سے کیسی بے عقلی اور جہالت کی باتیں سرزد ہونے لگیں۔

مُزداریہ۔ عیسیٰ بن صُبیح مکنّی بہ ابو موسیٰ اور ملقب بہ مُزدار
کے پیرو۔ یہ شخص بشر بن معتمر کا شاگرد اور معتزلہ میں بڑا عابد و زاہد
تھا جس کے باعث "راہب معتزلہ" کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ چند
امور میں وہ بھی دیگر معتزلہ سے متفرد ہے۔

پہلا۔ کہتا تھا کہ اللہ تعالےٰ کو اس کی قدرت ہے کہ جھوٹ
بولے یا ظلم کرے۔ لیکن اگر ایسا کرے تو وہ معاذ اللہ جھوٹا اور
ظالم خدا ہو گا۔

دوسرا۔ اس کا قول تولّد یعنی افعال کو خود بندوں کے

پیدا کرنے کے بارے مین اپنے اُستاد بشر کے مثل ہے۔ مگر اتنی زیادتی کے ساتھ کہ کہتا ہے "تولد کے اصول کے مطابق ممکن ہے کہ دو فاعلون سے ایک فعل پیدا ہو"۔

تیسرا۔ قرآن مجید کے بارے مین کہتا ہے "انسان کو قدرت ہے کہ قرآن کا ایسا کلام تصنیف کرے۔ جو بہ لحاظ فصاحت اور باعتبار ترتیب و بلاغت کے ویسا ہی ہو جیسا کہ ہمارا قرآن ہے"۔ یہ شخص مسئلہ خلق قرآن مین بڑا متشدد تھا۔ اور جو لوگ کلام الٰہی کو قدیم بتاتے اُنھین کافر بتاتا تھا۔ اُس نے دو قدیم ثابت کیے۔ اور کہا جو شخص سلطان زمانہ کے مشابہ بننا چاہے کافر ہے۔ نیز بادشاہ کی نسبت کہا "وہ نہ وارث ہوتا ہے نہ مورث"۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ جو لوگ بندون کے افعال کو خدا کا مخلوق بتائین یا کہین کہ باری تعالےٰ آنکھون سے دیکھا جا سکتا ہے وہ سب کافر ہین۔ اُس کو تکفیر مین نہایت غلو تھا۔ یہان تک کہ کہنے لگا کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے مین بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے"۔ ابراہیم سندی نے پوچھا "دنیا کے لوگ کیسے ہین"۔ کہا "سب کافر ہین"۔ ابراہیم نے یہ جواب سُن کر کہا "تو جنّت مین جس کا عرض آسمانون اور زمینون کے برابر ہے۔ اکیلے آپ جائین گے یا آپ کے تین ہمخیال" اس کا اُس نے کچھ جواب نہین دیا۔

ثمامیہ۔ ثمامہ ابن اشرس نُمیری کے پیرو۔ اُس کو یقین تھا کہ جو فاسق بغیر توبہ کیے مرجائے وہ ہمیشہ دوزخ مین رہے گا۔

اور زمانۂ زندگی دنیوی کے اندر وہ نہ کفر میں ہے نہ اسلام میں بلکہ دونوں کے درمیان ایک تیسرے درجے میں ہے۔ یہ بھی چند مسائل میں متفرد ہے۔

پہلا۔ یہ کہ افعال متولدہ کا کوئی فاعل نہیں ہے۔ اور انھیں فاعل اسباب کی طرف بھی منسوب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس میں لازم آئے گا کہ کبھی بعض افعال کو کسی فنا شدہ فاعل کی طرف منسوب کریں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سبب کا اصلی بانی ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور پیدا شدہ چیز باقی رہتی ہے۔ اور ان افعال کو باری تعالے کی طرف بھی منسوب نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ اس صورت میں برے کام بھی اس وحدہ لاشریک کی جانب منسوب کیے جائیں گے۔ اسی کشمکش میں پڑ کر اس نے گھبرا کے کہہ دیا کہ افعال وہ متولدات ہیں جن کا کوئی فاعل نہیں۔

دوسرا۔ اس کا دعوی تھا کہ کفار مشرکین ہوں یا مجوس ہوں یہود ہوں یا نصارا زندیق ہوں یا دہریے قیامت کے دن سب کے سب خاک ہو جائیں گے۔ اور یہی حال مومنین کے بچوں اور بہائم وطیور کا ہوگا۔

تیسرا۔ استطاعت کے مسئلہ میں وہ کہتا ہے کہ قادر ہونا سلامتی نفس اور صحت اعضا کا نام ہے۔ اور اس کا کہ تمام اعضا ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ ہوں۔ اور یہ چیز فعل سے پہلے ہوا کرتی ہے۔

چوتھا۔ یہ کہ معرفت غور و خوض اور فکر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ ایک ایسا فعل ہے جس کا تمام پیدا ہونے والے افعال کی طرح کوئی فاعل نہیں ہے۔

پانچواں۔ اُس کا دعویٰ ہے کہ تحسین و تقبیح یعنی کسی چیز کو اچھا یا بُرا سمجھنا دونوں عقل سے ہیں۔ اور معرفت وُرود نص یعنی فرمانِ الٰہی و حکم رسالت پناہی سے پہلے انسان پر واجب ہے جیسا کہ دوسرے ائمۂ معتزلہ کہتے ہیں۔ مگر وہ اس میں اتنی ترقی کرتا ہے کہ کفار میں سے بعض اپنے خالق کو نہیں پہچانتے اور معذور ہیں ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ تمام معرفتیں بدیہی ہیں۔ اور جو خدا کی معرفت پر مجبور نہ ہو جائے وہ جانوروں کی طرح بندوں کا مسخر ہے۔

چھٹا۔ کہتا ہے انسان کا بجز ارادے کے کوئی فعل نہیں ہے۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ ایک حادث ہے جس کا کوئی محدِث نہیں۔

ہشامیہ۔ یہ لوگ ہشام بن عمرو فوطی کے پیرو تھے جو قدر یعنی انسان کے فاعل مختار ہونے کے مسئلہ میں تمام ائمۂ معتزلہ سے زیادہ سخت تھا۔ اور کسی فعل کے باری تعالےٰ کی جانب منسوب کرنے کے نہایت مخالف تھا۔ اصولی مسائل میں اُس کے خاص اجتہادات یہ ہیں۔

اول کہتا کہ مومنوں کے دلوں میں اتحاد کو اللہ جل شانہٗ

نہیں پیدا کرتا۔ حالانکہ قرآن مجید میں صریح موجود ہے۔ مَآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ، (تو نے مومنوں کے دلوں کو نہیں متحد کیا بلکہ اللہ نے کیا)

دوم - یہ کہ ایمان کو مومنوں کے دلوں میں اللہ محبوب نہیں بناتا۔ اور نہ اُن کے دلوں میں اس کو رونق دیتا ہے۔ حالانکہ کلام اللہ میں صاف موجود ہے کہ "حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ"، (اس نے ایمان کو تمہارا محبوب بنایا۔ اور تمہارے دلوں میں اُسے بارونق کیا۔) اسی طرح وہ اس کے بھی خلاف تھا کہ طبع کرنے (چھاپنے) اور مہر کرنے کے افعال کو خدا کی جانب منسوب کیا جائے گو کہ قرآن پاک میں صاف طور پر اس کے خلاف موجود ہے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ۔ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ" (اللہ نے اُن کے دلوں اور کانوں پہ مہر کر دی) اور (اللہ نے اُن کے کفر کو اُن کے دلوں پہ چھاپ دیا) مگر اُس کے عقیدے میں ایسی تمام آیتوں میں تاویل کرنا واجب ہے۔

وہ یہ بھی - کہتا تھا کہ خدا کے خالق ہونے کا ثبوت اعراض سے نہیں نکلتا صرف اجسام سے نکلتا ہے۔

امامت وخلافت کے بارے میں اُس کا مذہب تھا کہ اُس کا انعقاد فتنہ و فساد کے زمانے میں نہیں ہو سکتا۔ صرف اتفاق اور امن وامان کے زمانے میں خلیفہ کا انتخاب ہونا چاہیے

اور اس مسلک مین وہ یہان تک متشدد تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن (تشنیع) کیا کرتا۔ کیونکہ آپ کی بیعت یوم الدار یعنی حضرت عثمان کی شہادت کے وقت ہوئی تھی۔

اُس کے بدعات یہ بھی ہین۔ کہتا تھا جنت و نار ابھی پیدا نہین ہوئی ہین۔ آیندہ پیدا ہون گی۔ کیونکہ ابھی سے اُن کے پیدا کر دینے کا کوئی نتیجہ نہین۔ اور کہتا یہ کہنا بھی صحیح نہین ہے کہ کافر کو خدا نے پیدا کیا۔ کیونکہ کافر سے مراد انسان مع کفر کے ہے۔ اور کفر کو خدا نہین پیدا کر سکتا۔

اس شخص کو اپنے مذہب مین اس قدر غلو تھا کہ اپنے تمام مخالفون کو کافر کہتا۔ اور اُن کے قتل و غارت کو حلال سمجھتا تھا۔

جاحظیہ عمرو بن بحر جاحظ کے تبع ہین۔ یہ شخص بھی معتزلہ کا ایک بڑا عالم و فاضل تھا۔ اور اُن کے مذہب کا بڑا مصنف ہے۔ اُس نے بہت سی فلسفہ کی کتابین پڑھین۔ اور چونکہ ادیب کامل تھا۔ لہذا اپنے عقائد و مسائل کو فصیح و بلیغ عبارت مین شائع کرتا۔ معتصم باللہ اور متوکل علی اللہ کے زمانون مین تھا۔ بعض اصولی مسائل مین وہ بھی متفرد ہے۔

کہتا ہے سارے معلومات انسانی بداہۃً طبعی ہین۔ اور اُن مین سے کوئی نہین جو بندون کا فعل ہو۔ اور بجز ارادے کے بندون کو کوئی کسب بھی نہین حاصل ہے۔ اُسی ارادے سے

بندون کے افعال طبعی طور پر سرزد ہو جاتے ہین۔

اُس نے اجسام مین طبیعتین ثابت کی ہین۔ کہتا ہے کہ جوہرون کا عدم محال ہے۔ تغیر و تبدل صرف عرضون مین ہوتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ دوزخ والون پر ہمیشہ عذاب نہ رہے گا۔ بلکہ اُن کی طبیعتین ہی ناری ہو جائین گی۔ اور حرارت کے عذاب کو نہ محسوس کر سکین گی۔

نفی صفات مین اُس کا مذہب فلسفیون کا سا ہے۔ خیر و شر کو بندون کی طرف منسوب کرتا یعنی قدر کا قائل تھا۔ کہتا سارے ذی عقل مخلوق جانتے ہین کہ اللہ اُن کا خالق ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہین کہ اُنھین نبی کی حاجت ہے۔ مگر باوجود اس معرفت کے محجوب ہین۔ اُن مین دو قسم کے ہین۔ ایک وہ جو توحید کو جانتے ہین۔ اور دوسرے وہ جو اُس کو نہین جانتے۔ نہ جاننے والے معذور ہین اور جاننے والون کے لیے حجت موجود ہے۔ لہذا جو مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ جل شانہ نہ مجسم ہے۔ نہ متشکل ہے۔ آنکھون سے نہین دیکھا جا سکتا ہے۔ عادل ہے ظلم نہین کرتا۔ اور نہ گناہون کا ارادہ کرتا ہے اور اعتقاد و یقین سے اِن باتون کا اقرار کرتا ہو وہ سچا مسلمان ہے۔ اور اگر ان سب امور کو جانے مگر ماننے سے انکار کرے۔ یا تشبیہ و جبر کا قائل ہو وہ پکا کافر ہے۔ اور اگر اِن امور پر غور ہی نہ کرے مگر اِس کا معتقد ہو کہ خدا اُس کا خالق ہے۔ اور محمد صلعم خدا اسکے

رسول ہین اُس کے لیے کوئی ملامت والزام نہین۔ اور اس کے
سوا وہ اور کسی بات کا مکلّف نہین ہے۔

قرآن مجید کی نسبت اُس کا قول تھا کہ وہ ایک جسد
ہے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی وہ انسانی اور کبھی حیوانی شکل مین نمایان
ہو۔

خیاطیہ۔ ابوالحسن خیاط کے پیرو۔ یہ بھی بغداد کا ایک
معتزلی عالم تھا۔ معدوم کو ایک ہستی ثابت کرنے مین اِس شخص
کو بڑا غلو تھا۔ ہر چیز اور ہر جوہر و عرض کو عالم عدم مین موجود مانتا

جبائیہ اور **بہشمیہ**۔ پہلا گروہ علی بن محمد بن عبدالوہاب جبائی
کی طرف منسوب ہے۔ اور دوسرا اُس کے بیٹے ہاشم عبدالسلام
کی طرف۔ دونون مصر کے معتزلی تھے۔ بعض مسائل مین دونون
عام معتزلہ کے خلاف ہین۔ اور بعض مین باہم مخالف ہین جن مسائل
مین وہ دیگر معتزلہ کے خلاف ہین یہ ہین۔

اوّل اُنھون نے ایسے حادث ارادے ثابت کیے ہین جن کا
قیام کسی محل مین نہین۔ باری تعالےٰ تخلیق کا ارادہ کرنے مین اُنھین
حادث ارادون سے متصف ہے بغیر اس کے کہ وہ کسی محل مین ہون۔
اِسی طرح وہ جل شانہ عالم کے فنا کرنے مین بھی اُنھین حادث ارادون
سے متصف ہے۔ اور وہ بھی کسی محل مین نہین ہین۔ ازلی صفتون مین
مین سے جو زیادہ خصوصیت و اہمیت رکھتی ہین وہ اللہ جل شانہ

کیطرف اس لیے منسوب ہین کہ وہ بھی کسی محل مین نہین ہے۔ اُس
نے ایسے موجودات بھی ثابت کیے جو سب عرض ہین یا عرض کے حکم
مین ہین مگر کسی محل مین نہین۔ اسی طرح ایسے جوہر بتاتے ہین جو جوہر
ہین یا جوہر کے حکم مین ہین اور کسی محل مین نہین یہ مسئلہ فلسفیون سے
ماخوذ ہے جو عقل کو ایسا جوہر بتاتے ہین جو کسی محل مین نہ ہو۔ اور نفس
کلی وغیرہ کو بھی ایسے عرض کہتے ہین جو کسی محل مین نہین ہین۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالےٰ ایک ایسے کلام سے متکلم ہے
جس کو وہ کسی محل مین پیدا کر دیتا ہے۔ کلام کی حقیقت اُن کے نزدیک
منقطع آوازین اور مرتب حروف ہین۔ اور متکلم وہ ہے جو کلام کو کرے
نہ وہ جس مین کلام قائم ہو۔ جبائی سب کے خلاف اس بات کا مدعی
ہے کہ جس وقت کوئی قاری تلاوت کرتا ہے خداوند تعالےٰ اُسی آن اپنے
نفس کے کلام کو پیدا کر دیتا ہے۔

تیسرا۔ اُس عالم مین خدا کا دیدار ہونے کے دونون منکر
ہین۔

چوتھا۔ اس مسئلہ مین بھی دونون باپ بیٹے متفق ہین کہ منعم
کے شکر کی معرفت۔ اور برائی بھلائی کی معرفت دونون عقلی واجبات
ہین یعنی عقلاً اُن کا جاننا انسان پر واجب ہے۔ اِس مین اُنھون
نے ایک شریعت عقلیہ ثابت کی ہے۔ اور شریعت نبویہ کو اُن اُمور تک
جو مقدّرہ ہون اور اُن عبادتون تک جو خاص اوقات کے لیے مخصوص

ہدن محدود کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اُن کی مصلحت تک عقل انسانی نہیں پہونچ سکتی۔

پانچواں کہتے ہیں حکمت و عقل کے تقاضے سے ہر حکیم پر واجب ہے کہ عبادت کرنے والے کو ثواب دے۔ اور گنہگار پر عذاب کرے۔ اور چونکہ خدا حکیم ہے لہٰذا اُس پر واجب ہے۔ مگر عذاب کا ایک محدود زمانے کے لیے ہونا یا دائمی ہونا شرع ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

چھٹا۔ ایمان اُن دونوں کی اصطلاح میں ایک مدحیہ نام ہے۔ اُس شخص کے لیے جس میں اچھی خصلتیں مرتکز و راسخ ہو جائیں جس کی یہ شان ہو وہ مومن ہے۔ جو گناہ کبیرہ کرے اُسی وقت مومن سے فاسق ہو جاتا ہے۔ نہ مومن رہتا ہے۔ نہ کافر بنتا ہے۔ اور اگر وہ بے توبہ کیے مرجائے تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اسی طرح کے اور بہت سے مسائل ہیں جن کے تکمیل کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک بڑی مجلد کتاب بھی شاید مشکل سے کافی ہو سکے گی۔ امامت و خلافت کے مسئلہ میں دونوں باپ بیٹے اہل سنت کے ہم عقیدہ تھے یعنی کہتے کہ خلیفہ کے منتخب کرنے کا اُمت کو اختیار ہے اور خلفائے راشدین کو حسب ترتیب خلافت ایک دوسرے سے افضل مانتے تھے۔ مگر صحابہ یا اولیاء اللہ سے کسی کرامت کے ظاہر ہونے کے کلیتہً مخالف تھے۔ اور انبیاء کے معصوم سمجھنے میں بھی اُنھیں حد سے زیادہ غلو تھا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کہتے کہ اُن سے صغیرہ اور کبیرہ کسی قسم کا گناہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ جبائی کہتا ہے "پیغمبر نہ تو سہواً اور نہ جان بوجھ کر کسی گناہ کا ارادہ بھی کریں"۔

معتزلہ کے اور فرقے بھی ہیں مگر ہم اُن کے بیان سے قلم روک کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اُن کے مقابل اہل حدیث اور ائمہ سلف کے کیا عقائد اور کیا خیالات تھے۔

اہل حدیث و سنت کہتے کہ اللہ جل شانہ میں علم۔ قدرت۔ ارادت۔ حیات۔ سننے۔ دیکھنے۔ کلام کرنے۔ جلال۔ اکرام۔ جود۔ انعام۔ عزت۔ اور عظمت کی ازلی صفتیں موجود ہیں۔ وہ صفات ذات اور صفات فعل کی بھی تفریق نہیں کرتے۔ اِن کے ماسوا وہ ذات باری میں اُن صفتوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو قرآن و حدیث میں بتائی گئی ہیں مثلاً ہاتھ۔ چہرہ۔ اور کھڑا ہونا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ ہم اِن سب صفتوں کے ماننے پر مکلف ہیں۔ اور ہم پر فرض نہیں کہ اُن کی کچھ تفسیر کریں۔ اس لیے کہ ہمیں اِس کا حکم نہیں دیا گیا۔ مگر چونکہ خود خدائے تعالٰے نے فرما دیا ہے کہ "لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ"، (یعنی اس کے (خدا کے) مثل کوئی شے نہیں) لہذا ہمارا اعتقاد ہے کہ اس قسم کی جتنی چیزیں خدا نے اپنی جانب منسوب کی ہیں وہ ویسی نہیں جیسی کہ انسان کے ہاتھ چہرے اور قیام وغیرہ کو دیکھ کر ہم نے اپنے خیال میں سمجھ رکھی ہیں۔

چنانچہ امام مالک نے جب کہ فلسفیانہ اوہام وشکوک کی بنیاد پڑنا شروع ہوگئی تھی ان فلسفی ومنطقی مباحث کو سُن کر فرمایا "استوا (خدا کا عرش پر کھڑا ہونا) معلوم ہے۔ اُس کی حالت وکیفیت مجہول ہے۔ اُس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس بارے میں سوال کرنا بدعت ہے" حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام مالک سے پیشتر فقہ اکبر میں صاف تحریر فرمادیا کہ "اُس کے (خدا کے) ہاتھ کے بارے میں یہ نہ کہا جائے کہ ہاتھ سے مراد قوت ہے۔ بلکہ اُس کے ہاتھ سے مراد ہاتھ ہے"

مگر عوام جو فلسفیانہ تعلیم اور معتزلہ کے مباحث اور مناظروں سے مغلوب ہوگئے تھے اور روز بروز ہوتے جاتے تھے اُن پر متکلمین کا جادو چلتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ خلافت عباسیہ اُن کی طرفدار ہوگئی۔ اور اہل حدیث کو حدیث کی تعلیم دینا اور اپنے عقائد کا ظاہر کرنا دشوار ہوگیا۔

دوسرے عباسی خلیفہ **ابو جعفر منصور** کے عہد سے فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہونے لگیں۔ اور اُن کا اثر عرب کے دینی لٹریچر پر پڑنا شروع ہوگیا۔ مگر خود منصور کو بنی فاطمہ کے مقابل اپنی امامت کا دعویٰ ثابت کرنے اور اُن سے لڑنے جھگڑنے میں اتنی فرصت نہ ملی کہ اِن فلسفی بحثوں کی طرف توجہ کرے خلیفہ مہدی نے فلسفہ کے اثر سے الحاد اور بے دینی کو بڑھتے دیکھا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تو اُس کی روک تھام کی۔ اور ایسے خیالات رکھنے والوں سے سخت بازپُرس کرتا تھا۔ خلیفۂ ہادی کا مختصر زمانہ خاموشی اور بے پروائی میں گزر گیا۔ اور محدثین وفقہا کو بہ آزادی روایتِ حدیث کرنے اور اپنے دینی عقائد کے ساری دنیاے اسلام میں پھیلانے کا پورا موقع ملتا رہا۔ یہان تک کہ ہرون رشید کا زمانہ آیا جو اس خاندان کا سب سے زیادہ نامور و کامیاب خلیفہ ہے۔ اُس کے زمانے مین اگرچہ بیت الحکمت کا محکمۂ ترجمہ اصطلاح قائم ہو گیا۔ اور علوم یونانی کی کتابون کے ترجمے ہونے کا ایک مستقل سلسلہ جاری ہوگیا تھا۔ مگر اُس کا ذاتی رُجحان اہلِ حدیث ہی کی طرف تھا۔ چنانچہ اپنے بیٹون امین اور مامون کو امام مالک کی خدمت مین درس فرمودۂ حدیث کے لیے بھیجا تاہم فلسفیون کی صحبت نے اُس کا مذاق ایک حد تک حکیمانہ و فلسفیانہ کر دیا تھا۔

رشید کی وفات پر ۱۹۳ھ مین امین الرشید خلیفہ ہوا۔ وہ اگرچہ کھیل تماشے لہو لعب اور عیش و عشرت مین منہمک تھا۔ مگر عقائد مین کوئی فرق نہین آنے پایا تھا۔ خلق قرآن کا مسئلہ اُس کی زندگی مین پیدا ہو گیا تھا۔ اور وہ اُس کو بُرا سمجھتا تھا۔ چنانچہ اسمٰعیل بن عُلَیّہ کو لوگ اُس کے سامنے لائے تو تعجب سے پوچھنے لگا "تو کہتا ہے کہ کلام اللہ مخلوق ہے!" اسی بنا پر امام احمد بن حنبل نے اُس کی نسبت فرمایا ہے "مجھے امید ہے کہ خدا اُس کے حال پر رحم

کر سکا۔

امین کے مارے جانے کے بعد ۱۹۸ھ میں مامون رشید پوری دنیائے اسلام کا خلیفہ ہوا تو گو خود اس لئے کہ اُس کی صحبت میں زیادہ تر آزاد خیال فلسفی رہا کرتے تھے اور کچھ اس سبب سے کہ ساری عربی عملداری کا انتظام چھوڑ کے وہ ایران کی ساسانی شان و شوکت کا دلدادہ ہو کر عربیت کے مرکز سے ہٹ گیا تھا اور نیز اس سبب سے کہ اُس وقت کے متکلمین اہل سنت میں سے کسی کو اُس کے دربار میں جانے کی جرأت نہ ہوئی وہ پکا معتزلی ہو گیا۔ چونکہ فلسفۂ یونان اور دیگر مذاہب الہٰیات کی قریب قریب تمام کتابیں ہارون اور مامون کے حکم سے عربی میں ترجمہ ہو گئیں لہٰذا صحیح معنوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اعتزال و بے دینی اور زندقہ کے اصلی بانی و مبانی یہی دونوں خلیفہ تھے۔ مگر ہارون اس بارے میں ایسا محتاط و ہوشیار تھا کہ اُسے کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں مامون البتہ اس الحاد کے رنگ میں سرتاپا رنگ گیا۔ ہارون نے کسی سیاسی مصلحت سے سارے برامکہ کو قتل کرا ڈالا تو اس کی کچھ توجیہ بھی کی جا سکتی ہے۔ مگر مامون نے جو بڑا صاحب عقل و فراست اور بردبار و عدالت گستر تھا جوش فلسفیت سے طیش میں آ کر اور مبتدعہ فرقۂ معتزلہ کے فلسفیانہ مالیخولیا میں مبتلا ہو کر اہل سنت اور علمائے حدیث پر جو مظالم کیے وہ کسی طرح قابل معافی نہیں ہو سکتے۔ اُس نے اگرچہ حدیث و فقہ و ادب سب کی تعلیم نہ ماننے کے بڑے

بڑے کامل ائمۂ دین سے پائی تھی مگر فلسفہ کا اثر اس قدر غالب ہو گیا
کہ سنہ ۲۱۲ھ میں قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو گیا جو معتزلہ کا اہم
ترین عقیدہ تھا۔ اور سنہ ۲۱۸ھ میں اُس کو اس عقیدے میں اس قدر انہماک
ہوا کہ علانیہ اُس کی تبلیغ و دعوت شروع کر دی۔

حکمت روم میں جادو کو گیا ہوا تھا کہ یہیں سفر میں معتزلی
مصاحبوں اور فلسفی علماے دربار کی صحبت کے اثر سے بیٹھے
بیٹھے خدا جانے کیا جنون سر پر سوار ہوا کہ ربیع الاول کے مہینے
میں اپنے نائب اسحٰق بن ابراہیم کے نام بغداد میں حکم بھیجا کہ محدثین
و علماے اہل سنت اور تمام قاضیوں کو بلا کے پوچھو قرآن کو حادث
(مخلوق) کہتے ہیں یا قدیم۔ جو حادث کہے اُس کو چھوڑ دو۔ اور جو
قدیم بتائے اُس کے جواب سے مجھے آگاہ کرو تاکہ ایسے بدعقیدہ شاکر
کے بارے میں مناسب احکام جاری کیے جائیں۔ اس خط میں قرآن
کے حادث و مخلوق ہونے کی فلسفیانہ دلیلیں بھی لکھی تھیں تاکہ وہ علماے
وقت کے سامنے پیش کی جائیں۔

اس حکم میں تمام علما کے علاوہ سات بزرگوں کی نسبت
جن میں محمد بن سعد کاتب واقدی اور یحییٰ بن معین کے پایے کے
ائمۂ دین تھے خصوصیت کے ساتھ تاکید کی گئی تھی کہ یہ لوگ میرے
سامنے لا کے پیش کیے جائیں۔ یہ ائمۂ دین اُس کے سامنے گئے تو
اُس کے تیور دیکھ کے انھیں جان کا خوف ہوا۔ اور سب نے تقیۃً

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اقرار کر لیا کہ "قرآن مخلوق ہے"

یہ حضرات جان بچا کر بغداد میں واپس آ گئے تو اسحٰق بن ابراہیم نے اُنھیں اپنے گھر میں اُتارا۔ اور تمام علماء دین کو اطلاع دی کہ اُن سات نامور محدثین نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کر لیا۔ اب تم کیا کہتے ہو؟ سب کو مجبوراً فرمان شاہی کے آگے سر جھکانا پڑا۔ اور اسحٰق نے سب کو چھوڑ دیا۔ اتنا ہے کہ مذکورہ سات بزرگوں کی واپسی تک تمام علماء بغداد حراست میں رکھے گئے تھے۔

اب اسحٰق کے پاس مامون کا دوسرا حکم پہونچا کہ "تمام فقیہوں محدثوں اور نامی عالموں کو اپنے سامنے بلوا کے آزماؤ کہ عقیدہ خلق قرآن میں کیا کہتے ہیں؟" اُس نے تمام اہل علم کو پھر اپنے یہاں جمع کر کے مامون کا خط دوبارہ سنایا۔ پوچھا کہ "آپ لوگ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں یا نہیں؟"

سب سے پہلے اُس نے بشر بن ولید کی طرف متوجہ ہو کے کہا "آپ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" کہا "میں اپنا عقیدہ دو مرتبہ امیر المومنین کے سامنے ظاہر کر چکا ہوں" اسحٰق "لیکن اب پھر سہی۔ وہ تجدید اقرار چاہتے ہیں" بشر نے کہا "میں یہ کہتا ہوں کہ قرآن خدا کا کلام ہے"

اسحٰق "میں یہ نہیں پوچھتا۔ میرا سوال یہ ہے کہ وہ مخلوق ہے یا قدیم؟"

بشر: "خدا سب چیزوں کا خالق ہے"

اسحٰق: "شیٔ میں قرآن بھی داخل ہے؟"

بشر: "ہاں ہے"

اسحٰق: "تو وہ بھی مخلوق ہے؟"

بشر: "وہ خالق نہیں ہے"

اسحٰق: "اور میں یہ نہیں پوچھتا۔ بتائیے قرآن مخلوق ہے یا نہیں"

بشر۔ (عاجز آکر) "میں نے جو کچھ کہا اُس سے زیادہ نہیں جانتا میں خود امیرالمومنین سے کہہ چکا ہوں کہ اس بارے میں کچھ نہ کہوں گا بجز اس کے میرے پاس اور کوئی جواب نہیں ہے"

آخر اسحٰق نے اُن سے اُن کے عقائد دریافت کرکے اپنے کاتب سے اُن کی ایک مصدقہ تحریر لکھوالی جس کا مضمون یہ تھا "میں اقرار کرتا ہوں کہ خدائے واحد فرد کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اُس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ اور اُس کی ساری مخلوق میں سے کوئی شئے کسی معنیٰ و حیثیت سے اُس کے مشابہ نہیں ہے"

اِس کے بعد اسحٰق نے علی بن مقاتل کی طرف رُخ کرکے وہی سوال کیا۔ اُنھوں نے بھی یہی کہا کہ میں اِس مسئلہ میں کئی بار اپنی رائے امیرالمومنین کے سامنے ظاہر کرچکا ہوں۔ اِس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔" اسحٰق نے بشر والے اقرار نامے پر اُن سے بھی تصدیق کرائی۔ اور کہا "مگر یہ تو بتائیے کہ قرآن کے بارے میں آپ کیا کہتے

ہیں؟" کہا "قرآن خدا کا کلام ہے۔" اسحٰق نے کہا "میں یہ نہیں پوچھتا۔" کہا "آپ جو پوچھیں اور جتنی دفعہ پوچھیں میرا جواب یہی ہو گا۔ لیکن ہاں اس کے بعد امیر المومنین کا جو حکم ہو گا اُس پہ ہم عمل کریں گے۔ اور اُن کے مطیع فرمان رہیں گے۔"

اُن کا یہ جواب قلمبند کرا کے اسحٰق نے ذیال بن ہیثم کی طرف توجہ کی۔ اور اُنھوں نے بھی وہی جواب دیا۔ تب اسحٰق نے ابو حسان زیادی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ کہیے۔" جواب دیا "جو پوچھنا ہو پوچھیے۔" اسحٰق نے وہی بشر والی تحریر سنائی۔ ابو حسان نے اُس کی تصدیق کی اور کہا "جس کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ کافر ہے۔" اس کے بعد قرآن کے بارے میں سوال ہوا تو وہی کہا جو پہلے بزرگان دین کہہ چکے تھے کہ "قرآن خدا کا کلام ہے۔ اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔ مگر امیر المومنین ہمارے امام ہیں۔ جن سے ہمیں سارا علم حاصل ہوا ہے۔ اُن کو اور بھی بہت سی ایسی باتیں پہونچی ہیں جو ہمیں نہیں پہونچیں۔ اور وہ بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جن کو ہم نہیں جانتے۔ خدا نے اُنہیں ہمارا حاکم بنایا ہے۔ اُن کے دم سے حج اور نماز قائم ہیں۔ اپنی زکوٰۃ کی رقم ہم اُنھیں کو دیتے ہیں۔ اُن کے جھنڈے کے نیچے جہاد کرتے ہیں۔ اور اُن کی امامت کے معتقد ہیں۔ لہٰذا وہ جو حکم دیں گے اُس کو ہم بجا لائیں گے۔ اور جس بات سے وہ منع کریں گے اُس سے باز رہیں گے۔ کیا اُن کا حکم ہے

قرآن کو مخلوق مانا جائے؟"

اسحٰق: "قرآن کی حکم نہیں بلکہ قول ہے۔ اور امیرالمومنین کے بہت سے قول ایسے ہیں جو حکم نہیں"

ابوحسان: "اگر فقط قول ہے تو ہمارے لیے واجب العمل نہیں ہم قرآن کے مخلوق ہونے کا اُس وقت اقرار کریں گے جب امیرالمومنین ہمیں ایسا کہنے کا حکم دیں گے"

اسحٰق: "مجھے امیرالمومنین نے اِس مسئلہ کی تبلیغ کا حکم نہیں دیا ہے فقط اتنا حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بُلا کے اِس بارے میں آپ کا قول دریافت کروں"

اب اُس نے امام احمد بن حنبل کی طرف رُخ کیا اور پوچھا "آپ قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

امام: "وہ خدا کا کلام ہے"

سوال: "وہ مخلوق ہے؟"

جواب: "میں اِس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا"

اسحٰق نے وہ تحریر پیش کی۔ اور پوچھا اِس پر آپ کا اعتقاد ہے؟" امام نے اُس کو پڑھا اور آخر میں جملہ "اُس کے مثل کوئی شئی نہیں ہے" کے بعد تھا اور بڑھا دیا کہ "وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" یعنی خدا سُنتا اور دیکھتا ہے" یہ معتزلہ پر ایک تعریض تھی۔ چنانچہ ایک معتزلی شخص نے جو اُس موقع پر موجود تھا۔ اسحٰق کو اُن کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مخالف کر دینے کی غرض سے کہا "اِس فقرے سے اِن کی یہ مُراد ہے کہ خُدا کانوں سے سُنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے" یہ اشارہ پاتے ہی اسحٰق نے پوچھا "سُننے اور دیکھنے سے آپ کی کیا مُراد ہے؟" امام نے فرمایا "خدا ویسا ہی ہے جیسا خود اُس نے اپنے آپ کو بتایا!" اسحٰق نے دوبارہ اِس کی توضیح چاہی تو امام نے پھر وہی جملہ فرمادیا کہ "وہ ویسا ہی ہے جیسا اُس نے اپنے آپ کو بتایا ہے۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا"

اُس کے بعد اسحٰق نے باقی تمام علما سے ایک ایک کرکے یہی سوال کیا۔ اور سب نے یہی جواب دیا کہ "قرآن خدا کا کلام ہے" اِس سے زیادہ کسی نے نہ کہا۔ بجز چند کمزور طبیعت والوں کے جنھوں نے قبول کر لیا کہ "قرآن مخلوق ہے"

ابن بکّار نام ایک بزرگ نے اپنے اظہار میں کہا "میں اس کو مانتا ہوں کہ قرآن "مجعول" ہے۔ اس لیے کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَاہُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا۔ اور میں قرآن کے "محدث" ہونے کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ۔" اسحٰق نے پوچھا "اور جو چیز مجعول ہے وہ مخلوق ہے؟" کہا "ہاں" پوچھا "تو پھر قرآن بھی مخلوق ہے؟" کہا "یہ تو میں نہ کہوں گا کہ قرآن مخلوق ہے۔ صرف اتنا ہی کہتا رہوں گا کہ قرآن مجعول ہے" اسحٰق

نے اُن کا قول بھی قلمبند کرایا۔ اور ساری کارروائی مامون کے ملاحظہ میں بھیجدی۔

مامون کے پاس سے جواب آیا تو اُس میں اِن سب لوگوں کی نسبت بُرا بھلا اور سخت سُست لکھا تھا۔ اور اسحٰق کے نام حکم تھا۔ کہ بشر بن ولید اور ابراہیم بن مہدی وغیرہ کو بلا کے پوچھو کہ اُن کے نزدیک قرآن مخلوق ہے یا نہیں۔ مخلوق بتائیں تو خیر ورنہ اِن سب کو پابہ زنجیر حراست میں میرے پاس یہان بڑا ؤ میں بھیج دو۔ اسی طرح دیگر ائمۂ حدیث کی نسبت بھی حکم تھا۔

اب اسحٰق نے پھر تمام علما کو جمع کر کے مامون کا یہ خط سُنایا۔ اُس کو سُنتے ہی اُن پہ ایسا خوف طاری ہوا کہ سب نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کر لیا۔ بجز چار بزرگان دین کے جو اُس زمانے میں سب سے بڑے ائمۂ علم و فضل مانے جاتے تھے۔ اول امام احمد بن حنبل۔ دوسرے سجادہ۔ تیسرے قواریری۔ اور چوتھے محمد بن نوح۔ چارون طوق و سلاسل میں جکڑ کے قید خانے میں بھیجدیے گئے۔ دوسرے دن اسحٰق نے پھر اپنے سامنے بُلوا کے اُن سے قرآن کے مخلوق ہونے کا سوال کیا تو دو یعنی سجادہ اور قواریری نے ہمت ہار کے قبول کر لیا۔ مگر احمد بن حنبل اور محمد بن نوح اپنے اُسی قول پر قائم رہے۔ اور اُسی وقت یہ دونون فوجی حراست میں طرسوس کی طرف روانہ کر دیے گئے جہان مسلمان

مجاہدین روم کا پڑاؤ تھا۔ لیجانے والے سردار کو آتحق نے حکم دیا کہ امیر المومنین جب تک روم کے میدان جنگ سے واپس آئین یہ لوگ طرسوس ہی مین اسیر و پابزنجیر رکھے جائین۔

ان دونون کے ساتھ نو اور علما بھی اسی طرح گرفتار کر کے بھیجے گئے تھے۔ یہ مقدس اسیران ستم شہر رقہ ہی تک پہونچنے پائے تھے کہ یکایک خبر آئی، "مامون نے سرزمین روم مین بیمار ہو کے ناگہان وفات پائی۔ اور اُس کا بھائی المعتصم باللہ خلیفہ ہوا۔"

معتصم ایک بے پڑھا جاہل خلیفہ تھا۔ مزاج مین رعونت تھی مامون کا پیرو تھا۔ اور اُس کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ دربار آزاد خیال فلسفیون خصوصاً معتزلیون سے بھرا ہوا تھا۔ جن کی صحبت نے اُن خیالات کو جو مامون کی تقلید مین دل کے اندر جاگزین ہو گئے تھے اور راسخ کر دیا۔ اِس کے ساتھ اِس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ وہ عربیت سے منحرف اور عجمیت کیطرف مائل تھا۔ عربون کو اُن کی حالت مین چھوڑ کر اُس نے ترکون اور عجمیون کا ایک بڑا بھاری لشکر خوبصورت ترکی غلامون کو منگوا کے اپنے جلو مین مقرر کیا۔ یہی پیش پیش تھے۔ اور انھین پر خلیفہ کی نظر عنایت تھی۔ اور یہی بنیاد دولت عرب کے بعد ترکون کے ذی اقتدار اور برسر حکومت ہونے کی ہوئی۔

وہ سنہ ۲۱۸ھ مین مسند نشین خلافت ہوا تھا۔ سنہ ۲۱۹ھ مین خاموش رہا اور سنہ ۲۲۰ھ مین اُسے اُن مظلوم مقدس اسیرون کی طرف توجہ

جو قرآن مجید کو مخلوق نہ کہنے کے جرم میں اس سے قبل قید خانہ
میں ڈال دیے گئے تھے سب اس کے سامنے لائے گئے اور اس نے
دھمکایا کہ "قرآن کو مخلوق کہو ورنہ سخت سزا دی جائے گی" اور
بعضوں نے تو جان کے خوف سے تقیۃً قبول کر لیا۔ مگر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ
کی ایمانی قوت نے اس کو کسی طرح گوارا نہ کیا انکار کیا اور کمال جانبازی
سے حکم ہوا کہ وہ کوڑوں سے پیٹے جائیں۔ کوڑے پڑنے لگے
مگر وہ قول حق سے نہ ہٹتے تھے۔ آخر پیٹتے پیٹتے کھال ادھڑ گئی اور غش
کھا کے گر پڑے۔ اور عالم بے ہوشی میں لوگوں نے پھر قید خانے
کے اندر لا کے ڈال دیا۔ اور نہیں معلوم کہ کتنے دنوں اس آزمائش
میں مبتلا رہے۔

اس واقعے کے بعد معتصم برابر عقائد معتزلہ اور مسئلہ خلق قرآن
کی جبریہ تبلیغ و اشاعت کرتا رہا۔ علمائے دین نے اس کے ہاتھ
سے سخت مصیبتیں اٹھائیں۔ چنانچہ اسی فتنۂ خلق قرآن میں اس
کے ہاتھ سے اہل علم کی ایک خلقت عظیم قتل ہو گئی۔ اور تمام
ممالک میں اس نے احکام جاری کر دیے کہ "مدارس و مکاتب
میں طلبہ اور لڑکوں کو لازمی طور پر عقیدۂ خلق قرآن کی تعلیم
دی جایا کرے۔"

سنہ ۲۲۷ھ میں معتصم نے دنیا چھوڑی اور اس کا بیٹا الواثق
خلیفہ ہوا۔ یہ بھی باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ سنہ ۲۳۱ھ میں اس نے

اسپر بصرہ کے نام حکم جاری کیا کہ "اماموں اور موذنوں سے دریافت
کرو کہ مسئلہ خلق قرآن میں کیا کہتے ہیں" غرض آغاز مسند نشینی میں وہ
باپ کی طرح بڑا سخت معتزلی اور عقائد اعتزال کا زبردست حامی
تھا۔ مسئلہ خلق قرآن کا بہت بڑا داعی رہا۔ اور اس کوشش میں خلفائے
اسبق سے زیادہ سخت تھا۔

اُس کی شدت اور سختی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اسی نے گو
سنہ ۲۳۱ھ میں اُس نے زمانے کے امور اور مستند امام حدیث
احمد بن نصر خزاعی کو بیڑیاں ڈلوا کے بغداد سے سُر من
رائی میں بلوایا۔ اور سامنا ہوتے ہی پوچھا "کیا قرآن مخلوق ہے
یا نہیں؟" اُنھوں نے نہایت جرأت و استقلال سے جواب دیا "نہیں"
پوچھا "کیا خدا قیامت کے دن دکھائی جائے گا؟" کہا "ہاں۔
حدیث میں یونہیں آیا ہے" واثق نے طیش میں آکے کہا "تم جھوٹے
ہو" جواب میں بے اختیار اُن کی زبان سے بھی یہی نکل گیا کہ
"آپ خود جھوٹے ہیں" واثق بولا "کمبخت۔ کیا مجسم چیز ہی کی طرح
خدا بھی دیکھا جائے گا؟ یہ عقیدہ تو کفر ہے" یہ کہتے ہی فقہائے
معتزلہ کی طرف دیکھ کر جو دربار میں کھڑے تھے۔ پوچھا "ایسا عقیدہ
رکھنے والے کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟" اُنھوں نے کہا
"واجب القتل ہے" یہ سنتے ہی تلوار منگوا کے میان سے نکالی
اور کہا "اس کافر کو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا تاکہ یہ کالہ

خبر میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ ساتھ ہی نطع (چمڑے کا
فرش جس پر لوگوں کو قتل کیا کرتے تھے تاکہ خون سے زمین خراب
نہ ہو) بچھوا دیا گیا۔ امام احمد بن نصر اُس پر گھسیٹ کے لائے گئے جو
سر سے پاؤں تک زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور اُن پر
تلوار کے وار کرنا شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ زخمی ہو کے گرے
اور جوارِ رحمتِ الٰہی میں پہنچ گئے۔ قتل کرنے کے بعد اُن کے سر کو
بدن سے جدا کر کے دھڑ شہر سُرّ من رأی میں مصلوب کر دیا گیا۔ اور
سر بغداد میں بھیج کر ایک بلند مقام میں لٹکا دیا گیا۔ اور پہرہ مقرر
کر دیا گیا کہ اگر کبھی اُس کا رُخ قبلے کی طرف ہو جائے تو نیزے سے
پھیر کے دوسری طرف کر دیا جائے۔ سوا اس کے اُن عزیز
شہید کا کان چھید کے اُس میں ایک رقعہ بندھوا دیا گیا جس
میں لکھا تھا: یہ سر احمد بن نصر کا ہے جس سے امام عبداللہ ہارون
بن معتصم (واثق) نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار اور تشبیہ
باری تعالیٰ سے انکار کرانا چاہا۔ مگر اُس نے نہ مانا۔ اور ضد کی
لہٰذا خدائے تعالیٰ نے فوراً اُسے دوزخ میں پہنچا دیا۔
اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ سر اگر کبھی قبلہ رُخ ہو جائے تو نیزے
سے پھرا کے دوسری طرف کر دیا جائے۔"

یہ حالت تھی اِن معتزلی خلفا کے متعصبانہ ظلم کی! ابن
ابی داؤد معتزلہ میں سب سے زیادہ ممتاز و سربرآوردہ

تھا۔ اور وہی وہ فقیہ و عالم تھا جو دربار خلافت پر حاوی تھا۔
خلیفہ ہر چیز اور ہر معاملے کو اُسی کی نگاہ سے دیکھتا۔ اُس کے
تعصب کی یہ حالت تھی کہ اتفاقاً ۲۳۱ھ ہجری میں رومی سلطنت
کی رعایا میں سے جو لوگ گرفتار ہو کے آئے اُن میں ایک ہزار
چھ سو مسلمان بھی تھے۔ اُن کو دیکھتے ہی ابن ابی داؤد نے حکم
کیا کہ اِن میں سے جو قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرے وہ
چھوڑ دیا جائے۔ اور جو اِس کو نہ قبول کرے جب تک انکار کرتا
ہے قید خانے میں پڑا رہے۔"

خطیب بغدادی بھی کہتے ہیں کہ "واثق مسئلہ خلق قرآن میں
نہایت متشدد تھا۔ لوگوں کو اس عقیدے کے ماننے پر مجبور کرتا۔
اور جو اُس کے قبول کرنے سے انکار کرتا اُس پر سختیاں کرتا۔"

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ واثق کو اپنے آخر عہد میں ایک
ایسا واقعہ پیش آیا جس نے یکایک اُسے مسئلہ خلق قرآن کی تبلیغ
اور اُس کے لیے لوگوں پر جور و ستم کرنے سے روک دیا۔

اور ہوا یہ کہ ایک صاحب علم مسلمان اِسی قرآن کو غیر مخلوق
بتانے کے جرم میں اپنے وطن سے اسیر کر کے واثق کے سامنے لایا
گیا جو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے اور طوق و سلاسل میں جکڑا
ہوا تھا۔ ابن ابی داؤد بھی اُس وقت دربار میں موجود تھا۔
قیدی نے بجائے واثق کے اُس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا

یہ مسئلۂ خلقِ قرآن جس کی طرف آپ لوگوں کو بُلاتے ہیں کیا اِس کی تعلیم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی؟" ابن ابی داؤد نے بے پروائی کی شان سے کہا "ہاں آپ ہی نے اِس کی تعلیم فرمائی تھی۔" اسیر نے کہا "مگر باوجود تعلیم دینے کے حضرت رسالتمآب نے اِس کو گوارا فرما لیا تھا کہ جو نہ مانیں وہ مجبور نہ کیے جائیں۔ مگر افسوس آپ لوگ اِس کو گوارا نہیں کرتے۔" اُس کے یہ الفاظ سُن کر تمام اہل دربار ایک سناٹے میں آ گئے۔ اور واثق کو ایسی بے تابی کی ہنسی آئی کہ مُنہ بند کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ محل میں جا کے خوب ہنس لیا تو بار بار یہ کلمات اُس کی زبان پر تھے "رسول اللہ صلعم نے تو اِس مسئلہ میں خاموشی گوارا کر لی۔ مگر تم نہیں گوارا کرتے۔" تھوڑی دیر کے بعد اُس اسیر کو بُلوا کے سو دینار انعام دیے۔ اور آزاد کر کے اُس کے وطن بھجوا دیا۔ اور پھر کبھی اُس کے بعد اُس نے اِس معاملے میں کسی پر سختی نہیں کی۔ اِسی گھڑی سے ابن ابی داؤد اُس کی نظر سے گر گیا۔ اور مورخین لکھتے ہیں کہ یہ قیدی جس کی بدولت مسئلۂ خلق قرآن کا فتنہ دُور ہوا۔ ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد اذدی تھے جو امام ابو داؤد اور امام نسائی کے اُستاد تھے۔ مگر اِس گوارائی کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ ۲۳۲ھ میں الواثق دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اب اُس کا جانشین المتوکل علی اللہ ہوا۔ اُسے

اہل سنت اور محدثین کے مسلک کی طرف رغبت تھی۔ اور وہ اہل حدیث کا بڑا حامی و مددگار تھا۔ سنہ ۲۳۴ھ میں اطراف عالم میں احکام جاری ہو گئے کہ اب کسی کو قرآن کے مخلوق ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ محدثین کو سُرمَن رائی میں اپنے سامنے بلوا کے انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ اور انھیں حکم کیا کہ معتزلہ کے خلاف صفات باری تعالے کی حدیثیں روایت کیا کریں"

اسی وقت سے امام حدیث ابو بکر بن ابی شیبہ صاحب مسند جامع رصافہ (واقع بغداد) میں بیٹھ کر درس حدیث دینے لگے۔ جن کے حلقۂ درس میں تیس ہزار طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ اور اُن کے بھائی عثمان نے بغداد کی ایک دوسری مسجد جامع منصور میں درس حدیث شروع کی تو اُن کے گرد بھی اتنے ہی طلبہ جمع رہا کرتے۔ لوگ متوکل سے اس قدر خوش ہوئے کہ ہر جگہ اُس کے لیے ترقی عمر و دولت کی دعائیں کی جانے لگیں۔ اور لوگوں نے اُس کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا کہ ہر شخص کی زبان پر تھا "خلیفہ تو بس تین ہوئے ہیں۔ ایک ابو بکر صدیق جنھوں نے مرتدوں کا استیصال کیا۔ دوسرے عمر بن عبدالعزیز جنھوں نے بنی اُمیہ کے مظالم دُور کیے۔ اور تیسرے المتوکل علی اللہ جنھوں نے حدیث و سنت کو زندہ کر دیا۔ اور اعتزال کو مٹا یا"

اُسی نے امام احمد بن حنبل کو (غالباً قید خانے سے)

بلوایا۔ وہ بہونچے۔ مگر خدا جانے کیا اسباب پیش آئے کہ اُس سے
نہ مِل سکے۔ اُس کے بیٹے المعتضد سے ملے۔ اور شاید اسی وقت سے
وہ آزاد ہو گئے۔

متوکل نے تقریباً امام شافعی کا مسلک اختیار کرلیا تھا۔
اور افسوس کیا کرتے تھے کہ افسوس میں نے امام شافعی کا زمانہ نہ
پایا۔ ورنہ اُن کے سامنے زانوے شاگردی تہ کرتا۔ اور علم
حاصل کرتا۔"

مگر بڑی خرابی یہ تھی کہ متوکل کو اپنے آباؤ اجداد ماسبق
خلفاے آلِ عباس اور اُس وقت کے تمام اہلِ سنت فقہا و محدثین
کی خلاف حضرت فاطمہ زہرا اور جناب علی مرتضیٰ کے خاندان سے
عداوت تھی۔ اس قدر جگر خراش واقعات اس کی صحبت میں
پیش آیا کرتے تھے اُن کے علاوہ اُس نے سب سے بڑی ناصبیت
یہ ظاہر کی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تربت پاک اور اُس
کے متعلقہ یا آس پاس کے تمام مکانوں کو کھدوا کے میدان کردیا۔
اُس میں ہل چلوا دیا۔ اور لوگوں کو کربلا کی زیارت سے قطعاً روک
دیا۔ یہ امر سارے مسلمانوں کو گران گزرا۔ مگر باوجود اس کے
نہ کسی عالم نے اُس کی مخالفت میں سر اٹھایا نہ کسی اعلیٰ یا ادنیٰ شخص نے۔
بلکہ اعتزال سے تائب ہونے کی بنا پر ہر طرف اُس کی تعریفیں ہی
ہوتی رہیں۔ اور اُس کی مدح میں شعرا و علما نے قصیدے کہے۔

متوکل کے بعد سے عباسی خلفا مذہب اہل سنت کے پیرو تھے
لیکن اب خلافت اتنی کمزور پڑ گئی تھی کہ بجز تمانشی کرد و فرسنگ زمین کی
حکومت ہی اُس کے قبضہ مین تھی اور نہ مذہب مین اُس کا کچھ اثر
باقی تھا۔ اعتزال کو اُس نے رواج تو دیدیا۔ مگر اب اُس مین اتنی
طاقت نہ تھی کہ اعتزال کو مٹا کے لوگون کو عقائد اہل سنت کا پابند
بنائے۔

اگرچہ اہل فقہ و حدیث کو علانیہ درس دینے۔ مخالفین کی تردید
کرنے۔ اور اپنے عقائد کی تعلیم دینے کی آزادی حاصل تھی۔ مگر دنیاے
اسلام کی حالت گذشتہ خلفا کی حکومت نے یہ کر دی تھی کہ اصولی زد و کد
سیاسی اور ہر طرح کے معاملات مین اختلاف پڑا ہوا تھا۔ مختلف
مذہبی و سیاسی گروہ آپس مین لڑتے اور عوام الناس کو بہکاتے
پھرتے تھے۔

سب سے زیادہ ذی اثر فلسفیانہ اور حکیمانہ شان رکھنے
والے علما معتزلہ تھے جن کی درس گاہین اب بھی رونق پر تھین۔
اکثر والی اور قاضی معتزلی تھے۔ جو دعوے کرتے کہ اہل سنت ہماری دلیلون
کے آگے ٹھہر ہی نہین سکتے۔ وہ جاہل ناقلین اخبار ہین۔ مگر اُن کے سمجھنے
کی عقل نہین رکھتے۔ اُنھین کے ساتھ ساتھ جہمیہ یعنی جہم بن صفوان کے
پیرو تھے جنھون نے اپنی جماعت الگ قائم کر رکھی تھی۔ اور اصولی مسائل مین
معتزلہ کے ہمنوا و ہمزبان تھے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اُن کے ضد اور مقابل حشویہ۔ مجسمہ اور مجاریہ فرقے تھے
جو خدا کو قریب قریب جسمانی بتاتے۔ اُس کی تمام باتوں کو انسانی
حالات و صفات کے مشابہ کہتے۔ مُرجیہ تھے جو کہتے کہ ایمان لانے کے
بعد نجات میں پھر کسی عمل کو دخل نہیں۔ اُن کے مقابل خوارج اور
معتزلہ دونوں قریب قریب متحد الخیال تھے کہ ہر گناہ کبیرہ کے
مُرتکب کو ایمان سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ مخلّد فی النار ہے یعنی
ہمیشہ دوزخ میں پڑا رہے گا۔

ادھر سیاسی فرقوں میں سے خوارج تھے جو حضرات
عثمان۔ علی۔ عائشہ۔ طلحہ۔ اور زبیر وغیرہ اکابر صحابہ و اہل بیت سب
کو کافر مطلق بتاتے۔ اُن کے مقابل شیعوں کے شیعوں مختلف الخیال
گروہ تھے۔ شیعۂ زیدیہ تھے۔ شیعۂ امامیہ تھے۔ شیعۂ اسماعیلیہ تھے شیعۂ
کیسانیہ تھے اور وہ شیعہ تھے جو ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کے بعد فرزند
کی امامت کی دعوت کرتے پھرتے تھے۔ ان سب کے مقابل شیعیانِ
عثمان یعنی طرفداران بنی اُمیہ تھے۔ اور ہسپانیہ میں اُن کی مستقل خلافت
قائم ہو گئی تھی۔ چند ہی روز بعد سارے شمالی افریقہ میں بنی فاطمہ کی اسمٰعیلی
خلافت قائم ہو گئی۔ اُن کے مقابل شیعۂ امامیہ کے حامی فرمان روایان
دیلم تھے۔ اور اُس سے بھی زیادہ قیامت یہ تھی کہ اسماعیلیوں کے
داعی و نقیب تقیہ کر کے چھپکے ہی چھپکے ساری دنیائے اسلام میں خلفائے
بنی فاطمہ مصر کی دعوت کرتے۔ اور لوگوں کو بہکاتے پھرتے۔ نظیر اسلام

کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ قرامطہ کا نیا خون آشام گروہ پیدا ہو گیا جس نے مشرقی عرب عمان بحرین و یمامہ میں اپنا قدم جما لیا تھا۔ اور عراق کے ہر شہر میں ہل چل ڈال رکھی تھی۔ بلاد شام و فلسطین تک میں اُن کے مظالم سے خون کی ندیاں بہ گئیں۔ یہاں تک کہ حرمین پر قبضہ کر کے اُن کے سردار نے حجر اسود کو ایک گرز مار کے پاش پاش کر دیا۔ اور اُس کے ٹکڑوں کو مشرقی عرب میں اُٹھا لے گیا۔ اور بیس پچیس سال تک کعبہ اس متبرک ابراہیمی امانت سے محروم رہا۔ خوارج الگ لوٹتے مارتے پھرتے تھے۔ ادھر باطنیوں کا گروہ قائم ہو گیا جس نے خراسان سے لے کر شام تک تمام پہاڑوں پر قبضہ کر کے اپنے قلعے بنا لیے۔ اور اُن کے فدائی ہر طرف خنجر باندھے پھرتے کہ جس بادشاہ جس وزیر جس سردار۔ اور جس عالم کی نسبت اشارہ ہو اُس کے پاس پہونچیں۔ فریب سے اُس کے دوست یا خادم بنیں۔ اور موقع پاتے ہی اُس کا کام تمام کر دیں۔

ایسی حالت میں خداوند تعالیٰ نے اہل سنت اور فقہا و محدثین کی مدد کے لیے امام ابو الحسن علی بن اسمٰعیل ابو بشر اشعری کو اُٹھا کے کھڑا کر دیا۔ وہ صحابی رسول اللہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی نسل میں تھے۔ اور سلسلۂ نسب نو پشت پر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تک پہونچتا تھا۔ ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور تعلیم زیر دست امام معتزلہ جبائی کی درس گاہ میں پائی تھی جس کی صحبت میں چالیس سال

کی عمر تک مسلک معتزلہ کے پابند رہے۔ جُبّائی معتزلہ کا بہت بڑا متکلم
تھا۔ اور ابوالحسن اُس کے شاگردوں میں سب سے بڑے فصیح و طلیق اللسان
بحث کرنے والے۔ جہاں اہل سُنّت کا مجمع سُنتے جا پہونچتے۔ اور بحث چھیڑ دیتے
اُن کے مناظرے نے علماے فقہ و حدیث کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔
مگر باوجود ایسی قوت مناظرہ کے اُنھوں نے اِس وقت تک کوئی کتاب
نہیں تصنیف کی تھی۔ بلکہ تصنیف و تالیف میں بہت کمزور خیال کیے جاتے
مگر فصیح البیان مقرر اور مناظر اتنے بڑے تھے کہ لوگوں میں مشہور تھا جتنے
وہ گویا ہیں اتنا ہی اُن کا استاد جُبّائی پختہ رو ہیں اور بحث مباحثہ میں
کم رو واقع ہوا ہے۔ چنانچہ جب کہیں مناظرے کی ضرورت پیش آتی تو
جُبّائی اُنھیں کو اپنی طرف سے بھیج دیا کرتا۔

غرض ابوالحسن اشعری یوں ہیں اہل حدیث کے لیے ایک مصیبت تھے
اور اہل سنت کے حق میں ایک آفت بنے ہوے تھے کہ ایک سال
ماہ مبارک رمضان کے عشرۂ اول میں ایک رات کو حضرت رسول
خدا صلعم کی زیارت ہوئی۔ اور حضور سرور عالم صلعم نے حکم فرمایا
کہ "ابوالحسن جو مسائل حدیث مجھ سے مروی ہیں اُن کی تائید کرو۔ اسلیے
کہ وہی برحق ہیں" آنکھ کھلی تو سخت اُلجھن اور پریشانی تھی۔ دل میں
کہتے محدثین اور راویان حدیث کے مسائل کے خلاف جو دلیلیں
میرے دل میں بسی ہوئی ہیں اُن کو کیونکر دل سے کیسے مٹا ڈالوں؟"
اسی پریشانی میں رمضان کا پہلا عشرہ گزر گیا۔ تو دوسرا عشرہ

شروع ہوگیا۔ اور فرماتے ہیں میں پھر ایک رات جنابِ رسالت
علیہ السلام کی زیارت سے شرفیاب ہوا۔ اور حضور نے میری صورت
دیکھتے ہی فرمایا "میں نے جو کہا تھا اُس میں تم نے کیا کیا؟" حضرت
اشعری کہتے ہیں میں نے جُرأت کر کے عرض کیا "یا رسول اللہ میں
نے احادیث مرویہ کا مطالعہ کیا۔ اور علم کلام کی رُو سے جہاں تک
گنجائش پائی اُن کو اختیار کیا" ارشاد ہوا "احادیث مرویہ کی تائید
کرو۔ وہی برحق ہیں" اور ساتھ ہی آنکھ کھل گئی۔ اور میں نہایت ہی
ملول و حزین تھا۔ نہ کوئی بات سمجھ میں آتی تھی اور نہ کچھ بن پڑتا تھا۔
آخر میں نے دل میں ٹھان لی کہ علم کلام کو ترک کر دوں۔ اور
حدیثوں پر عقیدہ جماؤں۔ چنانچہ اب میں رات دن کلام اللہ
اور کتب حدیث ہی کا مطالعہ کیا کرتا۔

اُسی حال میں رمضان کا دوسرا عشرہ گزر کے تیسرا بھی
ختم ہونے کے قریب آ گیا تھا کہ رمضان کی ۲۷ آئی۔ یہ شب قدر
کی رات مانی جاتی ہے۔ اور معمول تھا کہ لوگ مسجدوں میں جمع ہو کر ساری
رات نماز و عبادت میں بسر کرتے۔ میں بھی مسجد میں اسی ارادے
سے گیا۔ لیکن یکایک نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ گر گر پڑتا تھا۔ جب کسی
طرح چین نہ پڑا تو اپنی بدبختی پر افسوس کرتا ہوا گھر میں آیا۔ اور
آتے ہی پڑ گیا۔ لیٹنا تھا کہ آنکھ لگ گئی۔ اور پھر جلوۂ جمالِ محمدی صلعم
نظر کے سامنے تھا۔ اور آپ پوچھ رہے تھے "جس بارے میں میں نے

کہا تھا تم نے کیا کیا؟" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں نے کلام کو ترک کر دیا۔ اور قرآن و حدیث کے مطالعے میں مصروف رہتا ہوں۔" ارشاد ہوا "میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا۔ میرا حکم تو یہ تھا کہ مسائل مرویہ حدیث کی تائید کرو۔ کیونکہ وہی برحق ہیں۔" اب کی میں نے جی کڑا کر کے عرض کیا "یا رسول اللہ! محض ایک خواب کی بنا پر اُس مذہب کو کیسے چھوڑ دوں جس کے مسائل سینے میں بسے ہوئے ہیں؟ اور جس کی دلیلیں تیس سال سے دل پر نقش ہیں؟" ارشاد فرمایا "اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ خود خدائے تعالیٰ اس بارے میں تمہاری ہدایت و مدد کرے گا تو جب تک ہر مسئلہ کے علل و اسباب تمہارے ذہن نشین نہ کر دیتا میں تمہارے پاس سے نہ ہٹتا۔ اور تم اسے محض خواب سمجھتے ہو! اگر یہ میرا تمہارے پاس آنا فقط خواب نہیں ہے۔ اب اس کے بعد تم مجھے نہ دیکھو گے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اس حکم پر عمل کرو۔ اور کوشش سے کام لو۔ من جانب اللہ تمہاری مدد اور اعانت ہوگی۔"

اب جو آنکھ کھلی تو میری کچھ اور ہی حالت تھی۔ دل میں کہا "بس اب حق کے خلاف بجز گمراہی کے کچھ نہیں۔ اور اُسی گھڑی سے میں حدیثوں اور مسلک اہل سنت کی تائید میں غور کرنے لگا۔ اور خدا کی قسم میرے خیال میں خود بخود نئی دلیلیں اور توجیہیں پیدا ہو جاتیں۔ جو نہ کبھی پیشتر میرے ذہن میں گزری تھیں۔ نہ اُن کو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کسی کتاب مین پڑھا تھا اور نہ کسی مخاصم نے بحث مین وہ میرے سامنے
پیش کی تھین۔ اس حالت سے مجھے یقین کامل ہو گیا کہ یہ تائید
غیبی کے سوا کچھ نہین ہے۔

سچ پوچھیے تو یہ حضرت رسالت صلعم کا ایک ابدالآباد تک
زندہ رہنے والا معجزہ تھا کہ ایک ایسے شخص کو جو کل تک پکا معتزلی
تھا۔ اہل سنت کے علما و محدثین کو ہر صحبت مین زک دے کر عاجز
کر دیا کرتا تھا۔ جس کے لوح دل پہ ملحدانہ مسائل کی دلیلین نقش
تھین۔ جن کا اُس کے اعتقاد مین کچھ جواب نہ تھا۔ وہی آج ایک
شب مین ایسا پکا پابند سنت ہو گیا کہ معتزلہ اور شیعون اور تمام
نئے فرقون کے عالمون کو زک دیتا اور قائل معقول کرتا پھرتا
ہے۔ مخالفین حدیث و سنت کے بڑے بڑے دعوے کرنے والے
مباحثون اور مناظرون کی زبانین اُس کے سامنے بند ہین۔
اور اُس سے منھ چھپاتے اور بھاگتے پھرتے ہین۔

حضرت ابو الحسن اشعری نے اپنے اس نئے مسلک کا
آغاز یون کیا کہ مذکورہ خوابون کی وجہ سے رمضان کے
مہینے مین گھر مین خاموش بیٹھے فکر اور غور کرتے رہے۔ اور اگرچہ
کبھی کوئی کتاب نہین تصنیف کی تھی مگر اپنے اُن الہامی مسائل و
مباحث کو چپکے چپکے رسالون مین قلمبند کر لیا۔ اور یکایک ایک جمعہ
کو تیار ہو کر مسجد مین آئے۔ اُن کا اُستاد جبائی اپنے صدہا طلبہ کے

حلقے مین بیٹھا درس دے رہا تھا کہ اُس کے سامنے جا کے بیٹھ گئے
اور پوچھا "یا شیخ۔ ایسے تین شخصون کی معاد کے متعلق آپ کیا
فرماتے ہین جن مین سے ایک مومن ہے۔ ایک کافر ہے۔ اور ایک
نابالغ بچہ ہے؟" جُبّائی نے اپنے عقیدے کے مطابق جواب دیا "مومن
جنّت مین جائے گا۔ کافر دوزخ مین جائے گا۔ اور نابالغ اُس
تیسرے عالم مین رہے گا جو جنّت و دوزخ کے درمیان ہے"
(شعری) نے کہا "اور اگر وہ نابالغ خدا سے کہے کہ تو نے مجھ پر
ظلم کیا کہ مجھے بچپن مین مار ڈالا۔ مین بڑا ہو کے مومن صالح بنتا
نیک کام کرتا۔ اور جنّت کا مستحق ہوتا۔ تیرے مار ڈالنے
کے باعث مین اس درجۂ اعلیٰ اور اِن نعمتون سے محروم رہ
گیا۔ تو اس کا خدا کیا جواب دے گا؟" جُبّائی بولا "خدا کہے گا
مین جانتا تھا کہ تو بڑا ہو کر کافر ہو گا۔ اسی معصیت سے بچانے
کے لیے مین نے تجھے بچپن مین مار ڈالا" ابوالحسن نے کہا "اور اگر
وہ کافر کہے کہ خداوندا تجھے میرے کافر ہونے کا بھی علم تھا۔ پھر
تو نے مجھ کو بچپن مین کیون نہ مار ڈالا کہ عذاب دوزخ سے
محفوظ رہتا؟ تو بتائیے خدا اُس کو کیا جواب دے گا؟" اب
جُبّائی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ لاطائل توجیہین کرنے لگا۔
اور ابوالحسن اشعری بولے "بس رہنے دیجیے۔ اِن توجیہون سے
کام نہ چلے گا۔ اس لیے کہ آپ کی دلیلون کا گدھا دَلدَل مین

کھڑا ہوا ہے

یہ کہتے ہی حضرت ابو الحسن اشعری جبّائی کے حلقے سے اٹھ کر مسجد کے منبر پر جا کھڑے ہوئے۔ اور آواز دی کہ یا معاشر المسلمین! فوراً تمام لوگ جو مختلف حلقوں میں بیٹھے تھے آ کر سامنے جمع ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا: حضرات! آپ میں جو حضرات مجھے پہچانتے ہوں وہ تو جانتے ہی ہیں۔ مگر جو نہیں پہچانتے اُنھیں بھی میں بتاتا ہوں کہ میں ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری ہوں۔ میں قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل تھا۔ رویت باری تعالےٰ سے منکر تھا۔ اور خیر و شر دونوں کو بجائے خدا کے اپنی طرف منسوب کرتا تھا۔ مگر آج میں اِن عقیدوں سے توبہ اور معتزلہ کے دعووں کی تردید کرتا ہوں۔ اُن کی لغزشوں کو ظاہر کرتا۔ اور اُن کے عیبوں کو کھولتا ہوں۔ پھر فرمایا "لوگو میں گذشتہ چند روز آپ حضرات کے سامنے نہیں آیا۔ اور گھر میں بیٹھا رہا۔ اس کا باعث یہ تھا کہ میں مختلف اعتقادی و اصولی مسائل میں غور و خوض کر رہا تھا۔ اور کسی طرح حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکا۔ آخر خدا سے ہدایت کی التجا کی۔ اور اُس نے اپنی عنایت سے مجھ پر حق کو منکشف و آشکار کر دیا۔ اُن ہدایات کو میں نے اپنے اِن رسالوں میں قلمبند کر دیا ہے جن کو آپ کے سامنے پیش کر کے اپنے تمام گذشتہ اعتقادات سے توبہ کرتا ہوں اور آج اپنے اُن عقائد سے اُسی طرح جدا ہوتا ہوں جس طرح اپنے اس کُرتے سے الگ ہوتا ہوں یہ کہتے ہی کرتا اُتار کے دور پھینک دیا۔ اور

وہ رسالے لوگون کے ہاتھ مین دے دیئے انھین مین اُن کی ایک کتاب ”لمع“ (یعنی کتاب انوار) تھی اور دوسرا رسالہ ”کشف الاسرار و ہتک الاستار“ تھا جس مین معتزلہ کی شرمناک غلطیان دکھائی ہین حضرات سامعین اِس موقع پر آپ ذرا پہلے معتزلی واصل بن عطا کے حضرت حسن بصری کی صحبت سے جُدا ہونے کو یاد فرمائین جس نے اعتزال کا مسلک ایجاد کر کے اِس ملحدانہ گروہ اور اُس کے اسلام کش علم کلام کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور اُس کے بعد آج امام ابو الحسن اشعری کے اپنے معتزلی اُستاد جبّائی کے حلقۂ درس سے جُدا ہونے کی تصویر پیش نظر کرین جس نے ایک ہی گھڑی کے اندر دُنیا کا رُخ پلٹ دیا۔ اور فرقۂ معتزلہ کی تردید شروع کی تو چند روز مین اُسے دُنیا سے فنا ہی کر کے چھوڑا۔

حضرت ابو الحسن اشعری کی اُن کتابون کے شائع ہوتے ہی معتزلہ مین سناٹا نہین ایک تہلکہ پڑ گیا۔ ادھر اہل سُنّت نے اُن کتابون سے سبق لیا۔ اُن پر بھروسہ کیا۔ اور ابو الحسن اشعری کو اپنا امام دین تسلیم کر لیا۔ یہان تک کہ اہل سُنّت اُنھین کے جانب منسوب ہو کر ”اشعری“ کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

اِس سے پیشتر معتزلہ کہتے پھرتے تھے کہ علماے حدیث و فقہ ہمارے سامنے مُنہ نہین کھول سکتے۔ اور ہماری بحثون سے عاجز و لاجواب ہین مشہور کرتے کہ امام احمد بن حنبل ہمارے مقابلے

میں قائل ہو گئے۔ اور کچھ نہ کہہ سکے۔ مگر اب امام ابوالحسن اشعری حدیث و قرآن کی حمایت میں جو اُٹھ کھڑے ہوئے تو اُنھیں بھاگتے راستہ نہ ملتا تھا۔ چند ہی روز میں حضرت اشعری کے گرد طلبہ کا ایک بڑا بھاری ہجوم جمع ہو گیا۔ جو قرآن و حدیث کی حمایت میں اپنے اُستاد کی بتائی ہوئی دلیلیں پیش کر کے ہر معتزلی کو خاموش کر دیتے۔ اور بڑے بڑے علما سے معتزلہ کونوں میں چھپتے پھرتے۔

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اصولی و اعتقادی مسائل میں امام ابوالحسن اشعری کا مسلک کیا ہے۔ اُنھوں نے ہر مسئلہ میں ایک اوسط کا درمیانی طریقہ اختیار کیا۔ معتزلہ نے خدائے تعالے کو بالکل معطّل بنا دیا تھا۔ کہتے کہ اُس وحدہ لاشریک میں نہ علم ہے۔ نہ سماعت ہے۔ نہ بصارت ہے۔ نہ اُسے حیات حاصل ہے۔ نہ بقا۔ اور نہ اُس میں ارادہ ہے۔ اُن کے بالکل ضد مجسّمہ اور حشویہ کہتے تھے کہ اللہ تعالے کا علم ہمارے علم کے مماثل ہے اُس کی قدرت ہماری قدرت کی سی ہے۔ اور ہماری ہی طرح وہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری نے اُن دونوں کے درمیان یہ مسلک اختیار کیا کہ اُس کو علم ہے مگر ہمارے علموں کا سا نہیں۔ قدرت ہے مگر ہماری قدرت کے غیر مشابہ۔ سنتا ہے مگر نہ ہماری طرح اور دیکھتا ہے نہ ہماری طرح۔

جشم بن صفوان نے کہا کہ بندہ دنیا کے واقعات اور اپنے

افعال پر قادر نہیں۔ اور کسب یعنی اُن کے اختیار کرنے پر قادر ہے۔ حشویہ مشبہہ کہہ رہے تھے کہ خداوند تعالیٰ اُسی طرح متکیف ومحدود نظر آئے گا جس طرح تمام اجسام دکھائی دیا کرتے ہیں۔ اِس کے خلاف معتزلہ جہمیہ اور نجاریہ فرقے کہتے تھے کہ وہ جل شانہ کبھی اور کسی حال میں نظر ہی نہیں آسکتا۔ امام اشعری نے یہ اوسط کا اور معتدل طریقہ اختیار کیا کہ وہ رب العزت بغیر کسی چیز میں حلول کیے اور بغیر حدود اور کیفیت کے دیکھا جائے گا جیسے کہ بغیر محدود ومتکیف ہونے کے وہ دیکھتا ہے۔

نجاریہ نے دعویٰ کیا کہ باری تعالیٰ بغیر کسی چیز میں حلول کرنے کے اور بغیر جہت کے ہر جگہ موجود ہے۔ اُن کے برعکس حشویہ مجسمہ کہنے لگے کہ وہ عرش میں حلول کیے ہوئے ہے۔ عرش اُس کا مکان ہے جس پر وہ بیٹھا ہوا ہے۔ اِن دونوں کے درمیان امام اشعری نے یہ راہ نکالی کہ وہ رب العزت اُس وقت بھی موجود تھا جب یہ مکان یعنی عرش موجود نہ تھا۔ کیونکہ عرش و کرسی کو اُس نے بعد پیدا کیا ہے۔ لہٰذا وہ مکان کا محتاج نہیں۔ مکان کے پیدا ہونے کے بعد بھی اُس کی وہی شان ہے جو مکان کے ہونے سے پیشتر تھی۔

معتزلہ کہہ رہے تھے کہ باری تعالیٰ کا ہاتھ ہاتھ نہیں بلکہ اُس سے قدرت و نعمت مراد ہے۔ چہرہ چہرہ نہیں اُس سے وجود

مُراد ہے۔ اُن کے مقابل مجسمہ کہتے تھے کہ اُس کا ہاتھ اور اُس کا
چہرہ ہماری صورت ہی کی ایسی ایک جسمانی شکل ہے۔ امام اشعری
نے یہ فیصلہ کیا کہ خدا کے لیے ہاتھ اور چہرہ ہونا بھی منجملہ اُس جل شانہٗ
کے دیگر صفات کے ایک صفت ہے۔ جیسے کہ سُننا اور دیکھنا اُس
کی صفتین ہین جن کو ہمارے ہاتھ اور چہرے اور ہماری سماعت
وبصارت سے کوئی نسبت و مشابہت نہین۔

خدا کا عرش پر کھڑا ہونا اور اُس سے اُترنا جو قرآن
وحدیث مین وارد ہوا ہے اُس مین معتزلہ یہ کہتے کہ ان آیتون
اور حدیثون مین اُس وحدہ لاشریک کی بعض آیتین اور نشانیان
اور اُن کا نیچے اُترنا مراد ہے۔ اور استوا (کھڑے ہونے) سے مراد
استیلا و غلبہ ہے۔ مشبہہ اس کے خلاف معتقد تھے کہ خود خدا
تعالے کی ذات کا حرکت کر کے اُترنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ
آنا۔ اور استوا سے عرش پر بادشاہون کی طرح جلوس کرنا۔ اور
اُس مین حلول کرنا یعنی داخل ہونا مراد ہے۔ امام ابوالحسن اشعری
نے دونون کے خیال کو لغو بتا کے فرمایا کہ نزول و استوا
بھی اُس کی دوسری صفتون کی طرح دو بے مثال صفتین ہین۔

معتزلہ بڑے شد و مد کے ساتھ دعوی کرتے تھے کہ خدا
کا کلام مخلوق ہے جس کو اُس جل شانہ نے پیدا اور ایجاد کیا۔
مجسمہ نے اُن کے بالکل ضد پہ یہ کہا کہ اُس کے کلام سے مراد حرف و

مقطّعات ہین جن سے وہ کلام اجسام (کاغذ وغیرہ) پر تحریر ہوتا ہے یا انگلیون (روشنائیون) مین ہاتھون کے ذریعے سے چھوڑے جاتے ہین یعنی وہ کاغذ مین جن پر اور وہ رنگ ہین جن سے وہ لکھا جاتا ہے۔ اور سارا قرآن جو جو دو دفتیون کے بیچ مین ہے سب کا سب قدیم ازلی ہے۔ ابو الحسن اشعری نے اس مین یہ درمیانی مذہب اختیار کیا کہ قرآن بیشک خدا کا کلام اور قدیم ہے نہ مخلوق ہے۔ نہ بدلتا ہے۔ نہ حادث ہے نہ نیا پیدا ہونیوالا۔ مگر حروف مقطّعات۔ اجسام۔ رنگ۔ آوازون۔ محدود صورتون۔ اور کیفیتون کی قسم کی جتنی چیزین عالم مین اُس کے متعلق ہین سب مخلوق ہین۔

ایمان کے بارے مین معتزلہ جہمیہ اور نجاریہ کا قول یہ تھا کہ ایمان مخلوق ہے مطلقاً۔ حشویہ و مجسمہ کہتے تھے کہ وہ قدیم ہے مطلقاً۔ امام اشعری نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ایمان دو ہین۔ ایک خدا کا ایمان وہ قدیم ہے۔ اس لیے کہ وہ رب العزت خود اپنے آپ کو مومن و "مہیمن" بتاتا ہے۔ دوسرا مخلوق کا ایمان ہے اور وہ مخلوق ہے۔

مُرجیہ اس پر جمے ہوئے تھے کہ جو شخص ایک بار خلوص دل و صدق عقیدت سے ایمان لے آیا پھر وہ نہ مرتد ہونے سے کافر ہو سکتا ہے اور نہ کفر اختیار کرنے سے۔ اُس کے کبیرہ گناہ لکھے ہی نہین جاتے۔ اُن کے خلاف معتزلہ کا دعوی تھا کہ کوئی باایمان شخص سو برس تک متقی و پرہیزگار رہنے کے بعد بھی کسی ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جائے تو ہمیشہ

عذاب دوزخ مین مبتلا رہے گا۔ اور کبھی آتش دوزخ سے نہ نکل
سکے گا۔ اس مین امام ابو الحسن اشعری نے فرمایا جو مومن موحد فاسق
ہو اُس کا معاملہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ چاہے تو معاف کرکے
اُسے جنت مین داخل کرے۔ اور چاہے اُس کے گناہون کی بنا پر کچھ دنون
عذاب دوزخ مین مبتلا رکھ کے پھر جنت مین جگہ دے۔ لیکن ایک کبیرہ
گناہ جو ایک محدود وقت مین ہو کے ختم ہو گیا اُس کی پاداش مین خلود
فی النار یعنی دوزخ مین ہمیشہ پڑا رہنا ہرگز نہین ہو سکتا۔

شیعہ کہتے تھے کہ پیغمبر صلعم اور حضرت علیؑ کو بغیر خدا کے اذن (اجازت)
کے شفاعت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہان تک کہ اگر وہ کفار کی شفاعت
کرین تو بھی قبول ہو گی۔ اُن کے برعکس معتزلہ کہتے تھے کہ شفاعت کوئی
چیز ہی نہین۔ اس مین امام اشعری نے یہ درمیانی اور منصوص راستہ
نکالا کہ رسول خدا صلعم شفاعت کرین گے اور وہ قبول بھی ہو گی۔
مگر وہ گنہگار مسلمانون تک محدود رہے گی۔ اور وہ خدا کے اذن
یعنی اُس کے حکم سے ہو گی۔

خوارج کہتے تھے کہ حضرات عثمان و علی رضی اللہ عنہما دونون
معاذ اللہ کافر ہین شیعہ اس کے مقابل حضرات شیخین کو (نقل کفر کفر نباشد)
کافر و مرتد بتاتے۔ حضرت امام اشعری نے اس بحث مین یہ مسلک نکالا۔
کہ چارون اصحاب کی محبت اور دوستی منصوص ہے۔ اور چارون
کو حسب ترتیب ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

معتزلہ کا اعتقاد تھا کہ امیر المومنین حضرت طلحہ و زبیر و
ام المومنین عائشہ صدیقہ اور وہ تمام لوگ جنھون نے اُن سب کی
پیروی کی غلطی پر تھے۔ جس کی وجہ سے کسی اونے معاملے مین بھی اُن
کی شہادت (گواہی) مقبول نہین ہوسکتی۔ اُن کے ساتھ شیعہ اُن
سب کو (عیاذاً باللہ) کفار مرتد کہہ ہی رہے تھے۔ اس کے خلاف
شیعیان عثمان یعنی بنی اُمیہ کہتے کہ اُن بزرگون کی جانب خطا اور
غلطی کو کسی حال مین بھی منسوب نہین کرسکتے۔ بلکہ ساری غلطیان
حضرت علی اور اُن کے رفیقون کی تھین۔ امام اشعری نے اس معاملے
مین فرمایا یہ سب بزرگان اُمت مجتہد تھے۔ اور ہر مجتہد اپنے ہر فیصلہ پر
مستوجب ثواب ہوتا ہے۔ سب حق پر تھے۔ اصولی مسائل مین اُن کے
درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ اختلافات صرف فروع مین تھے۔ جن
مین ہر ایک کا اجتہاد جُدا گانہ تھا۔ مگر سب صحیح راستے پر رہے۔ اور انھین
اپنے اُن اجتہادون کا ثواب ملے گا۔ ان مسائل مین اُنھون نے جو رائین
قائم کین اُن مین کسی خواہش نفس یا بُرے ارادے کو دخل نہ تھا۔
اور اُنھون نے جو کچھ کیا دلیل و بُرہان سے کیا۔

یہ سچا متوسط و معتدل اصول کا مسلک تھا جس کو ابوالحسن
اشعری نے قرآن و حدیث کے نصوص کے علاوہ عقلی اور منطقی دلیلون
سے ثابت کیا۔ اور مباحثون اور مناظرون مین معتزلہ اور تمام مخالف
فرقون کو ہر جگہ ایسا خاموش کیا کہ دنیا مین اُن کی کساد بازاری

ہو گئی۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اپنے زمانے ہی میں اُنھوں نے اعتزال کو بالکل مٹا دیا۔ یا سارے مبتدعہ فرقوں کا زور توڑ دیا۔ معتزلی خلفائے بنی عباس اپنی سطوت اور جبر و ظلم سے اس مذہب کو اس قدر پھیلا گئے تھے کہ اُس کا ایک محدود زمانے میں اور ایک ہی شخص کی کوشش سے مٹ جانا غیر ممکن تھا۔ مگر یہی کیا کم تھا کہ علمائے معتزلہ کو کسی جگہ سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ابو الحسن باہلی علمائے شیعہ امامیہ میں ایک بڑے پائے کے فاضل تھے۔ اُن سے ابو الحسن اشعری کی بحث ہوئی اور قائل و لاجواب ہو کر وہ اہل سُنّت کے زمرے میں داخل ہو گئے۔ اور اُن کا شمار اہل سنّت کے اکابر ائمہ سلف میں ہے۔

امام اشعری اپنے اعتزال کے زمانے میں زبردست مناظر اور طلیق اللسان بحث کرنے والے تھے مُصنّف نہ تھے۔ مگر اُن کا پیرو حدیث و قرآن ہونا تصنیف اور مناظرے دونوں سے شروع ہوا۔ چنانچہ اس کا اظہار و اعلان کرنے کے ساتھ ہی اپنی کئی کتابیں پیش کر دیں۔ اور اُس کے بعد تصنیف و تالیف میں مصروف ہوئے تو اُس زمانے میں اُن سے بڑا کوئی مصنف نہ تھا۔ نامور محدث اسلام ابن عساکر نے اپنے رسالہ "تبیین کذب المفتری فی ما نُسب الی الامام ابی الحسن الاشعری" میں اُن کی تقریباً نوّے کتابوں کی مفصّل و مشرح فہرست خود امام ابو الحسن کی تصانیف سے نقل کر کے پیش کی ہے۔

جس سے نظر آتا ہے کہ کوئی مبتدع فرقہ اور کوئی غلط عقیدہ نہین
جس کی تردید اُنھون نے شرح و بسط کے ساتھ نہ کی ہو۔ اور
تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جس کی نسبت ابتدا مین کہا جاتا تھا
کہ بجز مناظرے کے تصنیف کر ہی نہین سکتا وہ پیرو سُنّت ہوتے
ہی اتنا بڑا مستند اور عدیم النظیر مصنف کیسے بن گیا۔ اصل حقیقت یہ
ہے کہ یہ اُسی تائید غیبی کی برکت تھی جس کا حضرت رسول خدا صلعم
نے خواب مین اُن سے وعدہ فرمایا تھا۔ لہذا اُن کے بولون کو بجاے
اُن کے عالمانہ خیالات کے اگر الہام کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اُن کو معتزلہ سے اس قدر شدت نفرت تھی کہ ۳۲۴ھ یا
۳۳۰ھ مین (علی اختلاف الروایات) جب اُن کا انتقال ہوا
ہے تو احتضار کے وقت ایک شاگرد نے دیکھا کہ ہونٹ ہل رہے
ہین۔ کان لگا کے سُنا تو فرماتے تھے "خدا معتزلہ پر لعنت کرے
کہ جو کچھ اُن کے مُنہ مین آیا بک دیا۔ اور اُمت مین تفرقہ ڈال
دیا" پھر اُسی حالت مین زبان نے کچھ یاری دی تو اپنے شاگرد
ابو علی زاہر بن احمد سرخسی کو پاس بُلا کے فرمایا "گواہ رہنا
کہ مین اہل قبلہ مین سے کسی کی تکفیر نہین کرتا"

اگرچہ اپنی زندگی مین وہ معتزلہ کا پورا استیصال
نہین کر سکے۔ مگر اُن کے کلام کے مقابلے مین اپنی موید من اللہ
کوشش سے جو کتاب و سُنّت کا نیا کلام اُنھون نے ایجاد کر دیا تھا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اُس نے دو ہی تین صدیون کے اندر معتزلہ کو نیگا ملنشیا کر دیا۔
اور کبھی اہل سُنّت کے مقابلے مین نہین ٹھہر سکے۔ اُن کی وفات
کے بعد اِس نئے کلام کے حامی و مبلغ اور اشعریت کے نامور مردمیدان
اُستاذ ابو اسحٰق اسفرائنی۔ قاضی ابو بکر باقلانی۔ اور استاذ ابو بکر بن فورک
اصفہانی ہوے۔ پھر امام الحرمین ابو المعالی جُوینی۔ اور امام غزالی میدان
مین آئے۔ اور سب کے بعد امام فخر الدین رازی نے امام ابو الحسن اشعری
کے اِس دینی علم کلام کو انتہائی کمال پر پہونچا کے الحاد و اعتزال کا ایسا
خاتمہ کر دیا کہ دنیا مین اُن کا کوئی نام لیوا بھی نہ باقی رہا۔

اِن متکلمین حدیث و قرآن نے جس طرح زحمتین اُٹھا کے اور
زبردست قوتون سے لڑ لڑ کے حریفون پر فتح پائی اُس کا اندازہ
اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے جو امام ابو الحسن اشعری کی وفات
کے تھوڑے ہی زمانے بعد پیش آیا تھا۔

جن دنون دنیاے اسلام مین دیلمیون کی سطوت قائم
تھی اور وہ مذہب شیعہ و اعتزال کے پشت و پناہ بنے ہوے تھے
اُنھین مین کا ایک فرمان روا جس کا نام فنا خسرو تھا فارس پر
مسلط تھا۔ اور شیراز اُس کا مستقر حکومت تھا۔ وہ بڑا علم دوست اور
حامی اسلام بادشاہ تھا۔ مگر اعتقاداً معتزلی تھا۔ اور دربار مین
بڑے بڑے نامی گرامی علماے معتزلہ جمع تھے۔ فنا خسرو کے عالمانہ
مذاق نے دربار شاہی اور ایوان شہریاری کو ایک علمی اکیڈیمی

بنا رکھا تھا۔ روز علما میں بحثیں ہوتیں۔ تحقیق مسائلِ عقل و نقل کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور صدر نشینِ محفل ملک کے قاضی القضاۃ ہوتے جو بڑے متشدد معتزلی تھے۔ اور اُن کا جوش اہلِ سُنّت کی تردید میں سب عالموں سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

ایک دِن فنا خسرو نے کہا، ہماری یہ محفل یون تو بڑے بڑے علما سے بھری ہوئی ہے مگر افسوس کہ اہلِ سُنّت کا کوئی عالِم موجود نہیں۔ جو ہر مسئلے پر اپنے مسلک کی رُو سے استدلال کرے۔ اور ہم دیکھیں کہ وہ لوگ کس عنوان سے بحث کرتے ہیں۔ قاضی القضات صاحب نے کہا، اُن جاہلوں کو بُلا کے کیا کیجیے گا؟ اُن کا شمار تو عوام کالانعام میں ہے۔ عقل سے اُنھیں کوئی سروکار نہیں قرآن و حدیث کے متعلق متخالف و متضاد روایتیں نقل کرتے ہیں۔ سُنی سُنائی باتوں پر دار و مدار ہے۔ اور تقلید پرست سے کام۔ ایسے لوگوں کی لغو باتوں کے سُننے سے فائدہ؟ اُن میں سے ہر ایک فاسق ہے۔ اور اِس کے درپے ہے کہ شمع معرفت کو گل کر دے۔ مگر واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ علاوہ برین میرے نزدیک اُن میں سے کوئی اِس قابل بھی نہیں کہ نظام حکمرانی میں کسی تاجدار کا مشیر و معاون ہو سکے۔ یہ کہہ کے اُنھوں نے معتزلہ عالموں کی ثنا و صفت شروع کر دی۔ سے

قاضی صاحب کی یہ تقریر سُن کر بادشاہ نے کہا، آپ کے

نزدیک تو وہ لوگ بالکل لغو اور بیہودہ ہیں۔ مگر میرے خیال میں دنیا کے اندر کوئی طریقہ اور مذہب ایسا نہیں ہے جس کے حامی و مددگار نہ موجود ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے ارکان دولت کے نام حکم جاری کر دیا کہ دیکھو ہماری قلمرو میں کوئی اہل سنت و اہل حدیث کا ایسا عالم موجود ہے جو اپنے مذہب کی حمایت میں بحث و مناظرہ کر سکے؟ اور میری علمی محفل میں آ کر اپنے اصول کی تائید میں تقریر کرے؟" دو ہی چار روز کے بعد لوگوں نے عرض کیا "بصرے میں اس صفت کے دو عالم موجود ہیں ایک معمر و سن رسیدہ ہیں اور دوسرے جوان۔ پہلے کا نام ابو الحسن باہلی ہے (یہ حضرت ابو الحسن اشعری کے خاص شاگرد تھے اور وہی ہیں جو حضرت اشعری سے قائل ہو کر شیعہ سے سُنّی ہو گئے تھے) اور دوسرے کا نام ابن باقلانی ہے۔ (یہ وہ ہیں جنھوں نے خصوصیت کے ساتھ امام اشعری کے کلام کو دنیا میں پھیلایا۔)" سُنتے ہی بادشاہ نے حکم دیا کہ دونوں کی خدمت میں سفر خرچ کے لیے کافی رقم بھیج کر انھیں یہاں آنے کی زحمت دی جائے۔"

خود قاضی ابو بکر باقلانی فرماتے ہیں کہ اس بادشاہ کا خط اور سفر خرچ ہمارے یہاں آیا تو ہم لوگوں میں مشورے ہونے لگا کہ ہم خسرو کے دربار میں جائیں یا نہ جائیں۔ شیخ ابو الحسن باہلی نے فرمایا "یہ فاسق لوگ ہیں۔ اُن کی صحبت میں ہمارا جانا مناسب نہیں ہے۔ ہمیں اُن کے فرش پر بھی قدم نہ رکھنا چاہیے۔ اس بادشاہ کی ہمارے بلانے میں بجز اس کے کوئی غرض نہیں ہے کہ دنیا میں مشہور ہو کہ اُس کے

دربار میں ہر قسم اور ہر علم کے علما جمع ہیں۔ اُس کا یہ طلب کرنا اگر میرے
خیال میں خلوص نیت کی بنا پر ہوتا تو میں ضرور جاتا۔ لہٰذا میں تو ہرگز
نہ جاؤں گا۔ اور لوگوں نے بھی اُنھیں کی رائے سے اتفاق کیا۔

مگر قاضی ابوبکر باقلانی فرماتے ہیں میں نے اُن کی تقریر سُن کر
کہا۔ ابن کلاب اور محاسبی وغیرہ اہل سُنت کے اگلے متکلمین نے بھی یہی کہا
تھا کہ مامون کی صحبت میں ہم میں سے کوئی نہ جائے۔ اگر وہ چلے جاتے تو
ممکن تھا کہ مامون میں اتنی سختی نہ پیدا ہوتی۔ اور یہ انجام نہ ہوتا کہ لوگ
امام احمد حنبل کو کشاں کشاں طرسوس کی طرف لے گئے۔ اتفاق سے مامون
مرگیا اور وہ معتصم کے سامنے پیش کیے گئے جس نے اُن کو قرآن کے مخلوق
کہنے پر مجبور کیا۔ اور انکار کرنے پر اُنھیں کوڑوں سے پٹوایا۔ اُس وقت
کے متکلمین اگر اُس کے دربار میں چلے جاتے تو امید تھی کہ بحث میں وہی
غالب آتے۔ اُن کے نہ جانے ہی سے مامون کے دل میں جم گئی کہ اہل سنت
کے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ لوگ اگر معتصم کے سامنے
بھی جاکے اپنے عقائد و مذہب کے علل و اسباب پیش کرتے تو میرا خیال ہے
کہ وہ بھی راہ راست پر آجاتا۔ اور امت پر یہ تباہی نہ آتی۔ مگر اُنھوں نے
حکومت کے آگے سر جھکا دیا۔ اور ابن حنبل پر جو گزرنا تھی گزر گئی۔
اسی طرح اے اُستاد آپ بھی اگر آج اس بادشاہ کی صحبت علم میں جانے
سے انکار کریں گے تو انجام یہ ہوگا کہ جو مصیبت کل احمد بن حنبل پر گزری
تھی آج ہم پر گزرے گی۔ اور یہ لوگ بڑے زور و شور سے اور نہایت

طمطراق کے ساتھ دعویٰ کرین گے کہ قرآن مخلوق اور رویت باری تعالیٰ محال ہے۔ بہرحال اگر آپ نہ تشریف لے گئے تو اکیلا مین اُس کے دربار مین جاؤن گا۔ اور دیکھون گا کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے"

یہ کہتے ہی اُنھون نے سفر کی تیاریان کر دین۔ اور شاہی قاصد کے ہمراہ براہ دریا بصرے سے روانہ ہو کر ساحل فارس پر اُترے۔ اور وہان سے خشکی کا سفر کر کے نہر رکن آباد کے کنارے اُس خطہ مین پہونچ گئے۔ جو زمانہ مابعد مین بڑے بڑے نامی گرامی علما اور سعدی و حافظ کا وطن ہونے والا تھا۔ بادشاہ فنا خسرو نے قدر و منزلت کی۔ ہاتھون ہاتھ لیا اور اپنا مہمان بنایا۔ آخر اس علمی دربار مین اُن کے اور معتزلہ کے درمیان مناظرہ چھڑ گیا۔ معتزلہ کو اگرچہ بڑے بڑے دعوے تھے اور اپنے مقابل اہل سنت و حدیث کو جاہل بتاتے تھے۔ مگر قاضی ابوبکر باقلانی نے ہر مختلف فیہ مسئلہ مین ایسے دلائل و براہین پیش کیے کہ سب کو ساکت و لاجواب ہو جانا پڑا۔ دو ہی چار روز کی بحث مین یہ نوبت پہونچ گئی کہ علماے معتزلہ اُن کی صورت دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے۔ اور کسی کو مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ فنا خسرو اپنے اعتزال سے توبہ کر کے اُن کا متبع ہو گیا۔ اور اپنے بیٹون کو اُن کے سپرد کیا کہ انھین مذہب اہل سنت کی تعلیم دین۔ اس واقعہ کی وجہ سے تمام معتزلی قاضی القضاۃ کا نام مٹ گیا۔ اور قاضی ابوبکر باقلانی کی سارے ایران

مین ایسی شہرت ہوئی کہ ملک کے عام دربار سے اُن کو سیف السنہ ولسان الامۃ (شمشیر سُنّت وزبان اُمّت) کا خطاب عطا ہو گیا۔

الغرض اعتزال کے استیصال کا باعث دراصل متوکل علی اللہ ہوا اور نہ کوئی اور خلیفہ بلکہ اِس کے صحیح بانی حضرت امام ابو الحسن اشعری اور اُن کے شاگردون اور پیروون کا گروہ علماے اشاعرہ تھا۔ امام الحرمین ابو المعالی جوینی کے زمانے مین ایک متعصب شیعہ وزیر کے ظلم سے جو اصول معتزلہ کا حامی ومؤید تھا علماے اہل سُنّت پر پھر تباہی آئی تھی چنانچہ امام الحرمین اور اُن کے ساتھ صدہا علماے اہل سنّت کو بھاگ کے اُن سے بھاگ کے ارض حجاز مین پناہ لینا پڑی تھی۔ مگر چند ہی سال بعد وہ مظالم دُور ہوئے تو اُن بزرگان اُمت نے پھر اپنے وطن کی صورت دیکھی اور امام الحرمین کا پہلے سے زیادہ دورہ دورہ تھا۔ اُن کے بعد اُن کے شاگرد امام غزالی اور بعد ازان امام فخر الدین رازی نے اپنی عدیم المثال علمی کوششون سے اعتزال کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ کے پھینک دیا۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ دُنیا مین کہین معتزلہ کا نام ونشان بھی نہ تھا بجز اس کے کہ کبھی کبھی معتزلی الخیال علما ومصنفین البتہ نظر آجا یا کیے۔

اعتزال نے شیعیت کے دامن مین پناہ لی تو علماے شیعہ کی کوشش سے البتہ اُن کے اصولی مباحث فنا ہونے سے بچ گئے۔ اور جب ایران مین دولت صفویہ قائم ہوئی تو شیعیت کے طفیل مین اعتزال کے متعدد عقائد نے پھر قوت حاصل کر لی۔ مگر وہ پُرانا فرقہ معتزلہ آج تک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دنیا مین کہین نہین نظر آیا۔

مگر اس آخر عہد مین اعتزال نے ایک نئے عنوان سے دنیا کو اپنی صورت دکھائی ہے۔ جس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ ہمارے ہندوستان مین اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد جب انگریزون کا دور شروع ہوا تو مذاہب کے عالم مین ایک نیا اور بہت بڑا کون و فساد شروع ہو گیا۔ انگریز کہنے کو نصرانی ہین۔ مگر اُن کی نصرانیت وہ پُرانی نصرانیت نہین جو قرون وسطیٰ مین اسلام سے لڑ رہی تھی اور جس نے مدتون حروب صلیبیہ کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ یورپ کی موجودہ مسیحیت نے جدید سائنس سے متاثر ہو کر وہان کی علمی دنیا مین ایک قسم کے الحاد اور بے دینی کی شان پیدا کر لی ہے۔ اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ انگریزون کے جھنڈے کے نیچے نیچے مشنری بھی آئے۔ اور مذہب عیسوی کی تبلیغ کرنے لگے۔ مگر مسلمانون کو اُن سے لڑنا اور مناظرہ کرنا چندان دشوار نہ تھا چنانچہ اکثر مناظرون مین وہ اُن پر غالب آجایا کرتے ہین۔ مگر ملحدانہ دہریت جو مسیحیت کے لباس مین چھپی ہوئی ہے اُس کا مقابلہ کرنا جس طرح ہر مذہب کے لیے دشوار ہے مسلمانون کے لیے بھی آسان نہین۔ یورپ مین اِس الحاد نے مسیحیت کو شکست دے کر اسے اپنا مطیع و منقاد بنا لیا۔ اور اب دُنیا کے تمام دیگر مذاہب کو مغلوب کرنا چاہتا ہے۔ اسلام جو اپنے گذشتہ علمی دور مین خود اپنے مذہبی دنگل کے اندر معتزلہ و اشاعرہ کی کشتیان دیکھ کر ایک با اصول علمی و عقلی مذہب بن چکا تھا۔ اس مسیحیت نما دہریت

سے بھی لڑنے کو تیار ہو گیا۔ مگر یہ نہایت دشوار کام تھا۔ اس سیلے کہ فلسفۂ یونان جس پر پُرانے اعتزال کی عمارت قائم کی گئی تھی وہ خود ہی منتشر اور تقویم پارینہ ہو چکا تھا۔ اور موجودہ سائنس سے لڑنا ایک بالکل نئے اکھاڑے میں قدم رکھنا تھا۔ اِس دشواری کو سر سید مرحوم نے محسوس کیا۔ وہ علمائے پُرانے عربی اسکول کے تعلیم یافتہ۔ مذہباً اہل حدیث کے مسلک کے پیرو۔ حیثیتہً گورنمنٹ آف انڈیا کے اعلیٰ عہدہ دار۔ اور معاشرتہً انگریزوں کے صحبت یافتہ تھے۔ اِس کے ساتھ انگریزوں کی ترقیوں اور کامیابیوں سے مرعوب ہو چکے تھے۔ اصول اسلام اور سائنس کے موجودہ مسائل پر اُنھوں نے غور کرنا شروع کیا تو فقہ حدیث اور مروجہ علم کلام کو ان مباحث میں خاموش پایا۔ آخر اُنھوں نے معتزلہ کے قدیم اصول کا مطالعہ شروع کیا۔ بعد ازاں امام ابو الحسن اشعری کے محدثانہ علم کلام کو بھی غور سے پڑھا۔ اور اپنے خیال میں مذہب کا ایک نیا خاکہ قائم کیا جس میں نہ پورا اعتزال تھا نہ پوری محدثیت۔ اعتزال کا یہ اصول اختیار کر کے کہ عقل شرع پر حاکم و قاضی ہے آزادانہ بحث کی گنجائش نکالی بعد ازاں محدثین کے اس متفقہ اصول سے فائدہ اٹھانا چاہا کہ صحیح حدیثیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ متواتر اور خبر آحاد۔ متواترہ ہیں جن میں ہر راوی کے طبقہ میں اُس کے ساتھ اتنے راوی روایت کرتے ہوں کہ اُنھوں کی غلط بیانی کو عقل محال جانے۔ متواتر

حدیثون کو محدثین یقینی الثبوت تسلیم کرتے اور ثبوتاً قرآن کے درجہ پر رکھتے ہین۔ مگر ایسی حدیثین اگر دو ایک بعض کے نزدیک ہین بھی تو دوسرون کے نزدیک متواتر نہین ہین۔ وہین احادیث خبر آحاد ؍ اُنھین پر فقہ اور شریعت کا دارومدار ہے۔ اور اُنھین الحدیث ظنی الثبوت کہتے ہین یعنی گمان غالب ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایسا کہا یا کیا۔ صحاح ستہ اور تمام مسند (مجموعہ ہاے احادیث) اسی پچھلی قسم کی حدیثون یعنی خبر آحاد سے بھرے ہوے ہین۔ اُنھین سے مسائل شرع کا استخراج ہوتا ہے اور اُنھین پر فقہ حدیث کی ساری عمارت قائم ہے۔ اسی اصول حدیث سے فائدہ اُٹھا کر سرسید نے دعوی کیا کہ جو آحاد جب ظنی الثبوت ہین تو اُن کی بنا پر کسی بات کا فرض یا واجب ہونا نہین ثابت کیا جا سکتا۔ اس طریقے سے سرسید نے حدیث و فقہ مین بھی ردّ و قدح اور یہ آزادی بحث کرنے کا دائرہ وسیع کر لیا۔ غالباً اُن کا خیال یہ بھی تھا کہ عقلی براہین و دلائل کے مقابلے مین ظنی الثبوت احادیث پر عمل کرنا ضروری نہین ہے۔ اور اُن کے خیال مین عقلی براہین و دلائل وہ تھے جو جدید علوم اور سائنس کی رو سے ثابت ہون۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح اس زمانے کا الحاد اگلے عہد کے الحاد سے بدتر تھا ویسے ہی اس زمانے کا ایجاد شدہ اعتزال بھی اگلے اعتزال سے بدتر نظر آنے لگا۔ اگلے معتزلہ کو اگرچہ خوارق عادات معجزات و کرامات کے وجود سے انکار تھا۔ مگر وہ اُن آیات قرآنی کو جن مین اس قسم کی باتین مذکور ہین متشابہ کہتے یا اُن مین تاویل کرتے۔ سرسید نے اپنے اس کلام مین دور از وہم و گمان باتین بنائین۔ اور اُن آیات کو سائنس سے مطابق بنانے کی کوشش مین ایسے عجیب معنی بیان کیے جو قابل مضحکہ معلوم ہوتے ہین۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سرسید اسی کوشش مین مصروف اور اپنے جدید علم کلام کو مدوّن کر رہے تھے کہ انھین مولانا شبلی کا ایسا قابل اور وسیع النظر عالم مل گیا۔ مولانا شبلی پرانے مدرسۂ عربیت کے تعلیم یافتہ اور سرسید کے خلاف متشدد حنفی تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے جوش محبت مین اپنے آپ کو "نعمانی" کہلاتے تھے اگر حقیقت مین اُن کا رتبہ معمولی حنفیون کے درجہ سے بڑھا ہوا ہو۔ اسی کوشش مین اُنھون نے مولانا محمد عبد الحی مرحوم کی لبعض مختلف فیہ مسائل مین تردید کی۔ اور وہابیون کے مقابلے مین مقلدون کے وکیل بن رہے تھے کہ سرسید کی صحبت مین پہونچے۔ اس صحبت نے اُن کو اس مناظرے کے میدان سے ہٹا کر پہلے تو تاریخی تصانیف کی طرف مصروف کیا۔ اور بعد ازان رفتہ رفتہ انھی سید احمد خانی کلام کے جنگل مین لا کھڑا کیا۔ چنانچہ انھون نے علم کلام کی تاریخ لکھی حضرت فاروق اعظم حضرت امام اعظم امام غزالی اور مولانا روم کی سیرتین تصنیف کین۔ اور آخر مین سیرۃ النبی کی تصنیف مین مصروف تھا ہو گئے۔ اِن کتابون مین سے اکثر مین محدثین کی طرف سے بدظنی قیاسی اجتہاد کی جنبہ داری۔ اور اکابر معتزلہ کی مدح سرائی ایسی باتین ہین جو صراحتًہ اعتزال کی جھلک دکھا رہی ہین۔ اور ایسے ہی لبعض اور تصانیف لکھے اسی سلسلے مین اُن کی حنفیت کی محبت اس جانب مائل ہوئی کہ خود اصول وعقائد حنفیہ کو اعتزال کے قریب یا اعتزال ثابت کر دین۔

اس کو مین مانتا ہون کہ حنفیہ ابو الحسن اشعری کے اصول و عقائد دین کو پورا پورا نہین مانتے۔ اور نہ اپنے آپ کو امام اشعری کا پیرو

ظاہر کرتے ہین۔ وہ بجاے اشعری کے اپنے تئین اصولاً ماتریدی کہتے
اور امام ابو المنصور ماتریدی کا پیرو بتاتے ہین۔ لیکن ماتریدیت کو
اعتزال یا اعتزال کے قریب بتانا ایسی سخت غلطی ہے جس کو ابتدا
سے انتہا تک کا کوئی حنفی عالم قبول نہ کرے گا۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی
نے امام ماتریدی اور امام اشعری کو بجز دس باتون کے تمام مسئلون مین متحد و
متفق بتایا ہے۔ اور اُن اختلافی مسائل کی نسبت بھی کہا ہے کہ اصولی
نہین فروعی مسائل ہین۔ علاوہ اس کے خود حضرت امام ابو المنصور ماتریدی نے
شرح فقہ اکبر مین اول سے آخر تک معتزلہ کی تردید کرتے اُن کو سخت و سست الفاظ
مین یاد فرماتے جا بجا احمق بتاتے ہین اور بجز دو ایک جگہ کے تمام اعتقادی مسائل
مین امام اشعری کے ہم خیال و ہمزبان ہین۔ مگر قیامت یہ ہے کہ آج کل کی انگریزی تعلیم
اور سائنس کے اثر نے انگریزی دان طبقے کی عام حالت یہ کر دی ہے کہ وہ مقلدین
کے رہنا نہین چاہتے۔ بلکہ ہر امر مین چاہے علوم دینیہ سے واقف ہون یا نہ ہون
مجتہدین جاتے ہین۔ وہ اپنے اُس بے ڈھنگے جاہلانہ اجتہاد مین اکثر معتزلیت کے قریب
پہونچ جاتے ہین اور نہین جانتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہین۔ چنانچہ انگریزی دان طلبہ کا طبقہ
بغیر اس کے جانے کہ اعتزال کیا چیز ہے اضطراراً معتزلی بنتا چلا جاتا ہے۔

اسی قسم کے ایک بزرگ نے جنھون نے انگریزی کے سوا عربی کا کوئی
عقلی یا نقلی فن نہین حاصل کیا صرف گذشتہ لڑائی کی برکت سے چند روز عرب مین
رہ کر عربی بولنے لگے ہین۔ ارادہ فرمایا کہ سارے علم حدیث کو متھ کے ایک نیا مکھن نکال لین
مشورے کے لیے میرے پاس آئے اور فرمایا کہ مین نے تمام صحاح و مسانید مین سے اُن حدیثون کو الگ

کرنا شروع کر دیا ہے جن کے راوی دو یا دو سے زیادہ صحابی ہوتے ہیں۔ اس امر کہ میرے نزدیک جس حدیث کی روایت صرف ایک صحابی سے ہو حجت نہیں ہے۔ میں نے صحابہ کی جناب سے اس بدگمانی کی وجہ پوچھی تو بعض صحابہ پر اعتراض کرنے لگے آخر میں نے انھیں مشورہ دیا کہ اگر اس کام کو آپ کرنا چاہتے ہیں تو مہربانی کر کے اپنی زندگی کے کم از کم دس سال حدیث و فقہ کی تعلیم میں صرف کیجیے اور اس کے بعد اس کار خیر کی طرف توجہ فرمائیے۔ جب کہ آپ حدیث و فقہ کے اصول۔ اور ان علوم کے اہم مباحث سے واقف نہ ہو جائیں ایسا کرنے میں آپ کو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ اور میں ان کا شکرگزار ہوں کہ اس کام کے لیے تیار ہونے کی دشواریوں کے خیال سے انھوں نے ہمت ہار دی اور اپنی اس مجتہدانہ تصنیف سے قدم روک لیا جس کے جوش میں سنن اربعہ میں سے دو ایک کی فہرست کر بھی چکے تھے۔

الغرض سب سے زیادہ خطرناک ہمارے بیان کا یہ خود رو اعتزال ہے۔ علماے ملت بیضا کا سب سے اہم اور ضروری کام یہ ہے کہ اس اعتزال کو روکیں۔ اور پتہ لگائیں کہ انگریزی کالجوں کے طلبہ کیا سے کیا ہوتے جاتے ہیں۔ اور کہاں پہونچے جاتے ہیں۔

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد سنہ ۱۸۹۸ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۱۶ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۸۹۹ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۱۷ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۰۰ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۱۸ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۰۵ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۱ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۰۶ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۲ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۱۴ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۳ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۱۵ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۴ء نامکمل	[illegible]

دلگداز کی نامکمل جلدیں

جلد سنہ ۱۹۱۰ء	۱۰/	جلد سنہ ۱۹۱۱ء ۱۰/ جلد سنہ ۱۹۱۳ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۱۲ء	۱۵/	منتخب مضامین ۱۹۰۷ء	۱۰/

دلگداز

مولانا شرر کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جس نے زبان اردو کے علمی خزانے کو اعلیٰ لٹریچر سے بھر دیا خریداران کو ایک سال خریدار رہنے پر ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے اور دوسرے سال بعد کے چندے اور محصول ڈاک پر دی پی ارسال کر دیا جاتا ہے قیمت سالانہ مع محصول ڈاک [illegible] دلگداز کا دی پی اس کا محصول بڑھا کے [illegible] کا بھیجا جاتا ہے نمونے کی قیمت [illegible]

منیجر دلگداز۔ لکھنؤ۔

مولانا شرر کے خیالی ناول

آغا صادق کی شادی۔ ایک عجیب قصہ [illegible]

حسن کا ڈاکو حرام پور کے نواب کا اعمالنامہ دوسرا حصہ [illegible]

اسلم رودبار حرام پور حرام پور کے نواب کے رہے سہے حالات ہر دو جلد [illegible]

خوفناک محبت۔ [illegible]

عجیب دان دو طفن۔ حیرت انگیز غیب دانی۔ [illegible]

ڈرامے اور نظمیں

اسیر بابل۔ گولڈ اسمتھ کے ایک ڈرامے کا نظم اردو ترجمہ [illegible]

زہرا اور ادر اسلام۔ ایک پر شور دلگداز نیچرل نظم [illegible]

شہید وفا غرناطہ اور اسپین میں زوال دولت عرب کی تصویر [illegible]

شب غم شب فراق کی بیتابیاں اور بیقراریاں۔ [illegible]

شب وصل یا فراق کے بعد وصل کا بیان۔ [illegible]

مضامین شرر

جو آٹھ جلدوں میں ہیں اور پہلی سب جلدیں تین تین حصوں میں منقسم تین حصے کے تیار ہو گئے۔ ان میں سے سند سجدہ ذیل حصے فکر دلگداز سے لے سکتے ہیں جلد اول (مضامین شاعرانہ و عاشقانہ) کا حصہ اول [illegible] دوم [illegible] سوم (جس میں آغاز و ختم سال کے مضامین یکجا کر دیئے گئے ہیں) [illegible] جلد دوم (مضامین تاریخی و جغرافی) کا حصہ سوم جس میں مشرقی تمدن والے مضامین جمع ہیں۔ اور لکھنؤ قدیم نام رکھا گیا ہے [illegible] جلد چہارم مکمل مضامین (ادبیہ و تحقیقی مسائل) [illegible] جلد پنجم مکمل (اصلاح قوم و ملت) [illegible] سیر لسوان دو جلد [illegible] سیر رجال [illegible]

مشہور مصنفین کی کتابیں

دیوان حسرت	۳/	دلی دلوی	[illegible]
الفاروق	[illegible]	مجموس گذشتہ	۱۰/
الغزالی	[illegible]	تحفۂ ادب	۱۸/
سیرۃ النعمان	[illegible]	شاعری کی پہلی کتاب	۱۸/
سوانح عمری مولانا روم	[illegible]	،، دوسری کتاب	۱۸/
بیان خسرو	۱۸/	،، تیسری کتاب	۱۸/
موازنۂ انیس و دبیر	[illegible]	زبان دانی	۱۶/
مثنوی صبح امید	۱۲/	اصول اردو	۱۴/
اورنگزیب عالمگیر	۱۸/	قوۃ مدبر	۱۴/
حیات حافظ	۱۶/	جان اردو	۱۴/
حیات سعدی	[illegible]	اصلاحات زبان اردو	۱۶/
مجموعۂ نظم	۳/	رزم و بزم	[illegible]
المامون	[illegible]	نیلی چھتری	[illegible]
رام پیاری	[illegible]	پارس کی گرفتاری	[illegible]
حیرت کامل	[illegible]	چوروں کا کلب	۱۲/
حسن سعید	[illegible]	مستقبل اسلام	[illegible]
جوڑا	[illegible]	مرد میدان کامل	[illegible]
نیل کا سانپ	[illegible]	مختارات تیمورییہ	[illegible]
نشتر	[illegible]	جعفر و عباسہ	[illegible]
احتر و حیدر کامل	[illegible]	سیرۃ العباس	[illegible]
نقد ادب	[illegible]	معشوقہ عرب	۱۰/
مکاتبات حکمل	[illegible]	درد [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	میری کہانی	[illegible]

آپ کا خادم حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز لٹریچر سنگھیان لکھنؤ

تصانیف مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

تاریخ، سوانح عمری اور لکچر وغیرہ

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔
(۲) ابو بکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات۔
(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی مفصل تاریخ۔
(۴) تاریخ خلافت۔ خلافت کے مختصر حالات
(۵) حسن بن صباح۔ بانی فرقہ باطنیہ کے حالات
(۶) خواجہ معین الدین۔ خواجہ اجمیری کے حالات
(۷) ملکہ زنوبیہ۔ ملکہ پالمیرا کا تذکرہ
(۸) سکینہ بنت حسین۔ بی بی سکینہ بنت امام حسین
(۹) مشاہیر رجال۔ نامور ان اسلام کے حالات
(۱۰) شیریں کوہکن۔ فرہاد و خسرو کی نامور معشوقہ
(۱۱) افسانہ قیس۔ مجنون عامری کے حالات
(۱۲) قرۃ العین۔ ایران کی مشہور بہادر عورت کے حالات
(۱۳) سیر بنواں۔ نامور خاتونان عرب کے تاریخی حالات
(۱۴) مولود شریف عالم۔ مولود شریف مصنفہ عبد السلام
ابو الفرج ابن جوزی کا ترجمہ مع شرح انتخاب نظم و نثر
(۱۵) سفرنامہ امام شافعی۔ امام شافعی کے سفر کے حالات
(۱۶) حقائق بہ اسلام و مسیحیت
(۱۷) سر سید کی رحلت پر لکچر
(۱۸) شمالی ہندوستان اور اسلام۔ مولانا کا ایک لکچر
(۱۹) ہندوؤں کا تعلق اردو سے
(۲۰) ہندوستان کی موسیقی

تاریخی ناول

(۲۱) فلورا فلورنڈا۔ ایک سچا عاشقانہ تاریخی ناول
(۲۲) ملک العزیز ورجنا۔ سلطنت صلیبی کے زمانہ کا
ایک تاریخی ناول ہر دو جلد
(۲۳) حسن کا ڈاکو۔ دوسری صدی ہجری کا واقعہ
(۲۴) شوقین ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی
(۲۵) طاہرہ۔ نہایت دلچسپ تازہ ناول
(۲۶) مینا بازار۔ شاہجہان کے وقت کا تاریخی ناول

(۲۷) عزیز و مصر۔ عہد عباسیہ کا تاریخی ناول
(۲۸) فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ
(۲۹) رومۃ الکبریٰ۔ روم پر گاتھ لوگوں کا حملہ
(۳۰) مفتوح فاتح۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول
(۳۱) فلپانا۔ فرانس پر عربوں کا حملہ
(۳۲) فاتح نجد۔ اسپانیہ کے عہد خلافت کے آخری دور میں
عیسائیوں کی حالت اور ان کا جوش۔
(۳۳) فردوس بریں۔ جس میں جنت کی سیر ہے
(۳۴) قیس و لبنیٰ۔ مشہور عاشق و معشوق کا اصلی قصہ
(۳۵) جویائے حق۔ عہد صحابہ کا تاریخی ناول
(۳۶) ملک العزیز ورجنا۔ صلاح الدین اعظم
(۳۷) مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا یورپ میں جانا
(۳۸) بابک خرمی۔ ایرانیوں کا عروج اور عیش
(۳۹) منصور موہنا۔ ہندوستان پر ایک تاریخی داستان
(۴۰) یوسف نجمہ۔ کابل و ہندوستان کی جنگ
(۴۱) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی لڑائیوں کی تفصیل
(۴۲) حسن کا ڈاکو۔ حضرت رسول کریم کی ایک تاریخی
جلد اول حصہ اول و دوم

دیگر مطبوعات دلگداز پریس

(۴۳) مرزا غالب کی شاعری۔ مرتبہ محمد عسکری صاحب
مع ایک تمہید
(۴۴) ایک دہلی کی تاریخ۔ مرتبہ صاحب موصوف
(۴۵) ابطال التقاب۔ مروجہ پردہ کی تردید
(۴۶) زمانہ کے لطیف چٹکلے
(۴۷) مسلمانان ہندوستان کے بادشاہوں
کے دلچسپ حالات تین حصے
(۴۸) جمیلہ۔ مصنفہ احمد صاحب
(۴۹) سچی دلہنا
(۵۰) یادداشت۔ ایک مشہور ناول کا ترجمہ
حصہ اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم
(۵۱) انتخاب بی بی صاحبہ کی گفتگو
کی مرتبہ داستان۔

حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ